أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

"کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اُس کے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں ڈال دیا۔" (الجاثیہ: ۲۳)

غامدی مذہب کیا ہے؟

جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن عقائد ونظریات کا علمی جائزہ

پروفیسر مولانا محمد رفیق

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

غامدی مذہب کیا ہے؟

تصنیف

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مکتبہ قرآنیات۔ لاہور

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

[الحشر 59:7]

''رسولؐ جو کچھ تمہیں دے، لے لو اور جس چیز سے

روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ [النساء:4:115]

''اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے گا حالاں کہ اس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہو تو اُسے اُسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔''

فہرست مضامین

⊙ مقدمہ 11

پہلا باب:

قرآنیات

1۔ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے؟ 19

⊙ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے؟ 20

⊙ کیا ایک کے سوا باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں؟ 24

⊙ کیا اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی یہ صرف وہی قرآن ہے؟ 26

⊙ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟ 26

2۔ کیا قرآن میزان ہے؟ 31

3۔ کیا سورۂ النصر مکی سورہ ہے؟ 36

4۔ قرآن کی معنوی تحریف کے نادر نمونے 43

⊙ پوری آیت نہ لکھنا 43

⊙ مذموم تفسیر بالرائے 45

⊙ احادیث صحیحہ کا انکار 47

⊙ اجماعِ اُمت کا انکار 47

⊙ اسلامی شریعت کا انکار 48

⊙ تحریف قرآن کی چند دیگر مثالیں 48

5۔ سورۂ الفیل کی غلط تاویل 51
⊙ صحابہ کرام کی تفسیر 54
⊙ قرآن کا اسلوبِ بیان 56
⊙ تفسیر القرآن بالقرآن 56
⊙ أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ کے معنی 59
⊙ تَرْمِيهِمْ کا مفہوم 60
⊙ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ کے معنی 61
⊙ حاصب یعنی سخت آندھی 62
⊙ نصرتِ الٰہی کا قانون 63
⊙ تاریخ وکلامِ عرب کی شہادت 65
⊙ اجماعِ اُمت کے خلاف 66
6۔ غُثَاءً أَحْوٰى کا ترجمہ وتفسیر 68
⊙ عربی لغت کے دلائل 69
⊙ عربی تفاسیر کے حوالے سے 71
⊙ قرآن مجید کے نظائر 75
⊙ حدیث سے دلیل 77
⊙ اُردو تراجم 78
7۔ کیا کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا؟ 80
⊙ قرآن مجید کے نصوص 81

دوسرا باب:

حدیث وسنت

1۔ شادی شدہ زانی کے لیے سزائے رجم کا انکار 84
⊙ جرمِ زنا کی شناعت 85
⊙ زنا مجموعۂ جرائم ہے 87
⊙ شادی شدہ آدمی کا جرمِ زنا 89
⊙ قرآن میں جرمِ زنا کی سزا 91
⊙ ''محصنات'' کا مفہوم 94
⊙ محصنات کے مفہوم کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء 99
⊙ آیت جلد کا حکم 102
⊙ آیت جلد اور مفسرین کرام 104
⊙ قرآن حکیم اور قتل نفس 112
⊙ اِلَّا بِالْحَقِّ کی وضاحت 113
⊙ سنت اور سزائے رجم 122
⊙ فقہائے اسلام اور حدِ رجم 129
⊙ حدرجم کا اثبات 135
2۔ مرتد کی سزائے قتل کا انکار 140
⊙ صحیح احادیث 140
⊙ مرتد کی سزا کے عقلی دلائل 144
⊙ مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ 149
⊙ کیا حدیث مذکورہ کا حکم عام نہیں؟ 151
⊙ کیا مرتد کی سزا کا مبنیٰ اور بنیاد صرف ایک ہی حدیث ہے؟ 152

⊙ مذکورہ حدیث کا قرآن سے ربط 153

⊙ کیا مرتد کے لیے قتل اسلامی سزا نہیں؟ 155

3۔ دیت (Blood Money) 157

⊙ قرآن اور مسئلۂ دیت 157

⊙ حدیث اور مسئلۂ دیت 163

⊙ آثارِ صحابہؓ اور اجماعِ صحابہؓ 169

⊙ اجماعِ اُمت 170

⊙ حاصل بحث 171

4۔ پردے کے بارے میں مغالطہ انگیزیاں 172

⊙ قرآن مجید میں پردے کے احکام 172

⊙ پردے کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر تبصرہ 181

تیسرا باب:

فقہیات

1۔ کفار کے خلاف جہاد و قتال کا انکار 185

⊙ اسلام اور جہاد و قتال 186

⊙ قرآن اور جہاد و قتال 187

⊙ احادیث اور جہاد و قتال 195

⊙ دفاعی اور جارحانہ جہاد 206

⊙ شہید کے فضائل 208

⊙ قرآن اور شہید 208

⊙ احادیث اور شہید 213

چوتھا باب:

فکری تضادات

1۔ سنن کی تعداد میں تضاد 224
2۔ حدیث پر غور کرنے میں تضاد 231
3۔ کیا امام زہری رحمہ اللہ غیر ثقہ راوی ہیں؟ 235
4۔ قرآن و سنت کے مقدم و مؤخر ہونے میں تضاد 237
5۔ فرض اور سنت کی اصطلاح کا تضاد 238
6۔ کبھی صرف قرآن میزان ہے تو کبھی سنت بھی میزان 240
7۔ قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی لینے میں تضاد 241
8۔ تکفیر کے مسئلے میں تضاد 244

پانچواں باب:

متفرقات

1۔ متفقہ اسلامی عقائد و اعمال سے تقابل 247
⊙ غامدی صاحب کی تحریروں کے حوالہ جات 253
⊙ غامدی صاحب کے چند مزید عقائد و نظریات 263

ضمیمہ:

غامدیات (غامدی صاحب کا منظوم تعارف)

1۔ غامدی نامہ 267

2۔	غزل	269
3۔	تضمین بر شعر اقبال	270
4۔	صاحب اشراق کے اسرار و رموز	271

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں جنم لینے والے بعض فتنوں...... مثلاً خوارج، معتزلہ، باطنیہ، بہائیہ، بابیہ، قادیانیت، متجددین اور منکرین حدیث...... کی طرح ہمارے ہاں حال ہی میں ایک نئے فتنے نے سر اٹھایا ہے جو اگرچہ تجدد پسندی کی کوکھ سے برآمد ہوا ہے مگر اس نے اسلام کے متوازی ایک مذہب کی شکل اختیار کرلی ہے اور اس فتنے کا نام ہے: ''غامدیت!''

''غامدیت'' کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ پورے دین اسلام کو بگاڑنے اور اس میں فساد برپا کرنے کا دوسرا نام ہے اور اسلام کے متوازی ایک نیا مذہب ہے۔

چونکہ یہ فتنہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب (پی اے آنرز) کا پیدا کردہ ہے اس لیے غامدیت کہلاتا ہے۔ موصوف ٹی وی کے اسکالر، ماہنامہ اشراق کے مدیر، ''المورد'' کے منتظم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ برصغیر (جنوبی ایشیا) میں جو حضرات بعض مذہبی فتنوں کے علم بردار ہوئے ہیں ان سب کے ناموں میں ''احمد'' کے نام کا اشتراک پایا جاتا ہے...... سرسیّد احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی، مولوی احمد دین، غلام احمد پرویز اور اب جاوید احمد غامدی...... ان سب میں ''احمد'' کا نام مشترک (Common) ہے۔

غامدی صاحب کے ہاں پوری امت میں سے صرف دو ہی ''علماء'' اُن کے ممدوح ہیں۔ جن کو وہ ''آسمان'' کا درجہ دیتے ہیں۔ باقی تمام علمائے اُمت کو وہ ''خاک'' قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب مقامات میں لکھتے ہیں کہ:

''میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا، لیکن امین احسن اور اُن کے اُستاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات، صفحہ 57,58، طبع دسمبر 2001ء)

اب ذرا غامدی صاحب کے عقائد ونظریات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

1۔ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

(میزان، صفحہ 25، 26، 32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

2۔ سنت قرآن سے مقدم ہے۔

(میزان، صفحہ 52، طبع دوم، اپریل 2002ء)

3۔ سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔

(میزان، صفحہ 10، 65، طبع دوم، اپریل 2002ء)

4۔ سنت صرف ستائیس (۲۷) اعمال کا نام ہے۔

(میزان، صفحہ 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

5۔ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں، ان دونوں کا ثبوت اجماع اور عملی تواتر سے ہوتا ہے۔

(میزان، صفحہ 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

6۔ حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔

(میزان، صفحہ 64، طبع دوم، اپریل 2002ء)

7۔ دین کے مصادر و ماخذ قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف ہیں۔

(میزان، صفحہ 48، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(یاد رہے کہ اسلام میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ماخذ شریعت ہیں۔)

8۔ دین میں معروف اور منکر کا تعین فطرت انسانی کرتی ہے۔

(میزان، صفحہ 49، طبع دوم، اپریل 2002ء)

9۔ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء، صفحہ 54، 55)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی غیر مسلم نہیں ہیں۔

10۔ زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔

(قانون عبادات، صفحہ 119، طبع اپریل 2005ء)

11۔ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) پر دی جا سکتی ہے۔

(برہان، صفحہ 143، طبع چہارم، جون 2006ء)

(میزان، صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء)

12۔ دیت کا قانون وقتی اور عارضی تھا۔

(برہان، صفحہ 18، 19، طبع چہارم، جون 2006ء)

13۔ قتل خطا میں دیت کی مقدار منصوص نہیں ہے اور یہ ہر زمانے میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔

(برہان، صفحہ 18، 19، طبع چہارم، جون 2006ء)

14۔ عورت اور مرد کی دیت (Blood Money) برابر ہوگی۔

(برہان، صفحہ 18، طبع چہارم، جون 2006ء)

15۔ مرتد کے لیے قتل کی سزا نہیں ہے۔

(برہان، صفحہ 140، طبع چہارم، جون 2006ء)

16۔ شادی شدہ اور کنوارے زانی دونوں کے لیے ایک ہی حد سو کوڑے ہے۔

(میزان، صفحہ 299، 300، طبع دوم، اپریل 2002ء)

17۔ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔

(برہان، صفحہ 138، طبع چہارم، جون 2006ء)

18۔ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔

(میزان، صفحہ 171، طبع دوم، اپریل 2002ء)

19۔ سوٗر کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور ان کا استعمال شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔

(ماہنامہ اشراق، اکتوبر 1998ء، صفحہ 79)

(میزان، ص 320، طبع دوم اپریل 2002ء)

20۔ اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں وارث ہوں تو اُن کو والدین یا بیوی (یا شوہر) کے حصوں سے بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ اُن کو کل ترکے کا دو تہائی 2/3 نہیں ملے گا۔

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 70، طبع مئی 1985ء)

(میزان، صفحہ 168، طبع دوم، اپریل 2002ء)

21۔ عورت کے لیے دوپٹہ یا اوڑھنی پہننا شرعی حکم نہیں۔

(ماہنامہ اشراق، مئی 2002ء صفحہ 47)

22۔ کھانے کی صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سوٗر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔

(میزان، صفحہ 311، طبع دوم، اپریل 2002ء)

23۔ بعض انبیاء قتل ہوئے ہیں مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 21، طبع 1985ء)

24۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 22، 23، 24، طبع 1985ء)

25۔ یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔

(ماہنامہ اشراق، جنوری 1996ء، صفحہ 61)

26۔ جانداروں کی تصویریں بنانا بالکل جائز ہے۔

(ادارۂ المورد کی کتاب ''تصویر کا مسئلہ''، صفحہ 30)

27۔ موسیقی اور گانا بجانا بھی جائز ہے۔

(ماہنامہ اشراق، مارچ 2004ء، صفحہ 8، 19)

28۔ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

(ماہنامہ اشراق، مئی 2005ء، صفحہ 35 تا 46)

29۔ اسلام میں جہاد و قتال کا کوئی شرعی حکم نہیں۔

(میزان، صفحہ 264، طبع دوم، اپریل 2002ء)

30۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور مفتوح کافروں سے جزیہ لینا جائز نہیں۔

(میزان، صفحہ 270، طبع دوم، اپریل 2002ء)

اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام عقائد و نظریات قرآن و سنت اور اجماع اُمت کے خلاف ہیں اور ان سے دین اسلام کے مسلمات کی نفی ہوتی ہے۔

اب غامدی صاحب کے بارے میں بعض اہل علم کی آراء ذیل میں دی جاتی ہیں:

1۔ محترم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ:

''کسی سنت کے ثبوت کے لیے غامدی صاحب کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ صحابہ کرام اور ان کے بعد اُمت کے اِجماع اور عملی تواتر سے ثابت ہو، اور جو سنت نبوی ﷺ یا حدیث رسولؐ اجماع اور تواتر کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچی، وہ غامدی صاحب کے نزدیک ثابت شدہ سنت نہیں۔ لہٰذا اگر حدیث و سنت کے تعین اور ثبوت کے لیے اس معیار کو قبول کرلیا جائے تو چودھری غلام احمد پرویز اور ان کے رفقا کی طرح حدیث و سنت کے نام سے روایات کا جو ذخیرہ امت کے پاس موجود ہے اور جس کی چھان پھٹک کے لیے محدثین تیرہ سو برس سے

صبر آزما اور جاں گسل علمی جدوجہد میں مصروف چلے آ رہے ہیں، اس کا کم وبیش نوے فیصد حصہ خود بخود سنت کے دائرے سے نکل کر کالعدم قرار پاتا ہے۔''

(ایک علمی وفکری مکالمہ، صفحہ 37، اشاعت اول، فروری 2007ء، گوجرانوالہ)

مولانا زاہد الراشدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''غامدی صاحب نے جس انداز سے دین کی بنیادی اصطلاحات کی تشکیل نو کی ہے اور اصطلاحات کے الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے مفہوم ومصداق کے حوالے سے جو نیا تانا بانا بنا ہے، وہ اجتہاد اور تجدید کے قدیمی اور روایتی مفہوم کے بجائے تشکیل نو (Reconstruction) کے دائرے میں آتا ہے۔ ہمارا ان سے اصولی اختلاف یہی ہے اور ہم پورے شرح صدر اور دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں بھی دین کے پورے ڈھانچے کی تشکیل نو کی بات ہوگی، دین کی بنیادی اصطلاحات کو نئے معانی پہنا کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اُمت کے چودہ سو سالہ علمی ماضی کے خلاف بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے نئی نسل کو اس سے کاٹنے کی سوچ کارفرما ہوگی، وہاں ایسی کوششوں کا عملی نتیجہ گمراہی کا ماحول پیدا کرنے کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوگا۔''

(ایک علمی وفکری مکالمہ، صفحہ 8، اشاعت اول، فروری 2007ء، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ)

2۔ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب، شعبہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب اپنے ایک مضمون ''اسلام اور تجدد پسندی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جناب غامدی صاحب کے اجتہادات نے تو اس حسن ظن کا خاتمہ ہی کر دیا اور دوسرے متجد دین کی طرح اب ان کا رویہ بھی یہی لگتا ہے کہ مغربی تہذیب کے فکری چوکے کو اسلام پر فٹ کرنے کی کوشش کی جائے۔''

(ماہنامہ ''الشریعہ''، صفحہ 28، بابت دسمبر 2005ء، گوجرانوالہ)

3۔ فاضل نوجوان حافظ طاہر اسلام عسکری صاحب نے غامدی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''کچھ مسلمان ''اسکالرز'' بھی علم وتحقیق کے نام پر مغربی تہذیب کو قرآن وسنت سے کشید کر کے اسے تقویت پہنچا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ جناب غامدی صاحب اور ان کے متبعین کا شمار بھی انھی اسکالرز میں ہوتا ہے۔ آں جناب کی نادر تشریحات اور علمی تحقیقات سے دانستہ یا نادانستہ طور پر مغربی تہذیب کی ترویج و تائید ہو رہی ہے۔''

(فکر غامدی، ص 10، طبع اول، مارچ 2007ء، ناشر مکتبہ خدام القرآن، لاہور)

4۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کا اداریہ نویس لکھتا ہے کہ:

''...... اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت ایک منفع بخش نوکری ہے، مگر ایسی بھی نہیں کہ اس کے لیے علامہ جاوید الغامدی قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو فرقہ واریت، مذہبی انتہا پسندی اور ملائیت سے تعبیر کرنے لگیں۔ علامہ جاوید الغامدی اپنی لسانی اور علمی صلاحیتوں کو محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ہر روز ٹی وی مباحثوں میں نئی نئی اختراعات کرنے اور حاکموں کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُس دین اور علم کی جڑیں نہیں کاٹنی چاہئیں، جس کی وجہ سے اُنھیں یہ عزت حاصل ہے۔ علامہ صاحب کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علمائے حق کبھی حکومتوں کی حمایت میں اس قدر سرگرم اور پرجوش نہیں ہوا کرتے۔ خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھ کر ٹی وی چینلز کی چکا چوند روشنیوں میں اسلام کی یہ بخیہ گری کم از کم علامہ جاوید الغامدی کو زیب نہیں دیتی۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت''، لاہور کا اداریہ شذرہ، مؤرخہ 5 جون 2006ء)

مجھے قابل صد احترام علماءِ کرام سے بھی یہ گزارش کرنی ہے کہ انھوں نے جس طرح ہر دور میں باطل کے فتنوں کی سرکوبی فرمائی ہے، اب غامدیت کے اس نوزائیدہ فتنے کا بھی

تعاقب کر کے اس کا قلع قمع فرمائیں جو ہمارے ہاں ٹی وی کی اسکرین، چند سرمایہ داروں کی نظرِ کرم اور سرکار دربار کی سرپرستی میں پھیلایا جا رہا ہے۔

میں یہ عرض کرتا چلوں کہ غامدی صاحب کو میں اُس وقت سے اچھی طرح جانتا ہوں جب وہ فقط جاوید احمد ہوا کرتے تھے اور ابھی اُن کے نام کے آگے پیچھے علامہ اور غامدی جیسے سابقے اور لاحقے نہیں لگے تھے۔ اس لیے میرا فرض تھا کہ میں ''غامدیت'' کے ڈھول کا پول کھولنے کے لیے یہ کتاب لکھوں اور اس فتنے کا سر کچلنے والے اوّلین لوگوں میں شامل ہوں۔

اللہ گواہ ہے کہ میری یہ کاوش محض احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ہے۔ اس سلسلے میں مزید ایک جامع اور مفصل کتاب بھی ترتیب دے رہا ہوں جو انشاء اللہ آئندہ کسی مناسب وقت پر طبع ہوگی۔

هذا ما عندي، والعلم عندالله، وهو ولي التوفيق.

والسلام

محمد رفیق چودھری

لاہور

19/جون 2007ء

بمطابق 3 جمادی الثانی 1428ھ

پہلا باب:

قرآنیات

1۔ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے؟

غامدی صاحب نے اُمت کے جن متفقہ، مسلمہ اور اجماعی اُمور کا انکار کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی (سبعہ یا عشرہ) قراءات متواترہ کو نہیں مانتے۔ اُن کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے جو اُن کے بقول ''قراءت عامہ'' ہے اور جسے علماء نے غلطی سے ''قراءتِ حفص'' کا نام دے رکھا ہے۔ اس ایک قراءت کے سوا باقی سب قراءتوں کو غامدی صاحب عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پوری قطعیت کے ساتھ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ قرآن کا متن اس ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب ''میزان'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اسی فتنۂ عجم کی باقیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ، افسوس ہے کہ محفوظ نہ رہ سکا۔''

(میزان، صفحہ 32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو

چھوڑ کر دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''

(میزان، صفحہ 25، 26، طبع دوم، اپریل 2002ء)

پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ:

''قرآن کا متن اس (ایک قراءت) کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔''

مذکورہ اقتباسات کے مطابق غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ:

1۔ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے۔
2۔ باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔
3۔ اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے۔
4۔ قرآن کا متن ایک قراءت (حفص) کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اب ہم ان نکات پر بحث کرتے ہوئے غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ لیں گے:

1۔ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے؟

غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اُمت مسلمہ قرآنِ مجید کی سبعہ یا عشرہ قراءات کو مانتی ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1۔ یہ قراءتیں صحابہ و تابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر ہیں اور اس کے مطابق ہیں اور یہ اجماعِ اُمت سے ثابت ہیں۔
2۔ علوم القرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی تمام اہم کتب میں یہ قراءات بیان کی گئی

ہیں جیسے امام بدرالدین زرکشی نے ''البرہان فی علوم القرآن'' میں اور امام سیوطی نے ''الاتقان'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو درست مانا ہے۔

3۔ تمام قدیم وجدید اہم تفاسیر میں ان قراءات کو تسلیم کیا گیا ہے۔

4۔ عالم اسلام کی تمام بڑی دینی جامعات مثلاً جامعہ ازہر اور جامعہ مدینہ منورہ وغیرہ کے نصاب میں یہ قراءات شامل ہیں۔

5۔ اُمت کے تمام مسلمہ مکاتب فکر کے دینی مدارس میں یہ قراءات پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

6۔ عرب وعجم کے تمام معروف قراء حضرات کی مختلف ''قراءات'' آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہیں۔

7۔ عالم اسلام کے درجن بھر ممالک (جن میں مراکش، الجزائر، تیونس، لیبیا اور موریطانیہ وغیرہ شامل ہیں) میں روایتِ حفص نہیں، بلکہ روایت ورش (امام ورش امام نافع بن عبدالرحمٰن کے شاگرد تھے) رائج ہے اور وہ اسی قراءتِ ورش کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے قرآن سمجھتے ہیں۔ کیا کروڑوں کی تعداد میں یہ مسلمان ''غیر قرآن'' کو قرآن سمجھ بیٹھے ہیں؟ کیا غیر قرآن کو قرآن سمجھ لینے کے بعد وہ مسلمان باقی رہے ہیں یا نعوذ باللہ کافر ہو چکے ہیں؟ کیا اُمت مسلمہ کے پاس قرآن محفوظ نہیں؟ جبکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾

(الحجر: 9)

''بے شک ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

پھر جب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے تو ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں وہ امت مسلمہ میں بطورِ قرآن کیسے متعارف، مروّج اور متداول ہے۔

8۔ جس طرح ہمارے ہاں قراءتِ حفص کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے

ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں قراءتِ ورش وغیرہ کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام میں قراءتِ ورش کے مطابق مصاحف شائع کرتی ہیں۔ حال ہی میں شعوری عرب کے مجمع الملک فہد، (مدینہ منورہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف متعلقہ مسلم ممالک کے لیے طبع کردیے ہیں۔

9۔ اُمت مسلمہ کا قولی اور عملی تواتر ہی قراءاتِ متواترہ کے صحیح ہونے کا بین اور اصلی ثبوت ہے۔

10۔ صحیح احادیث سے بھی ہمیں قرآنِ مجید کی ایک سے زیادہ قراءتوں کا ثبوت مل جاتا ہے۔

(ا) پہلی حدیث:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا جس سے میں پڑھتا تھا، حالاں کہ سورۂ فرقان مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں غصے سے اُن پر جھپٹ پڑتا، مگر میں نے (صبر کیا) اور اُنھیں مہلت دی، یہاں کہ اُنھوں نے اپنی قراءت مکمل کرلی۔ پھر میں نے اُن کی چادر پکڑی اور اُنھیں کھینچتا ہوا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان کو سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا ہے، جس پر آپ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو، پھر حضرت ہشام سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ اُنھوں نے سورۂ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اُن کو پہلے پڑھتے سنا تھا۔ ان کی قراءت سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔
پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں (سبعہ احرف) پر نازل ہوا ہے، لہٰذا جس طرح سہولت ہو، اس طرح پڑھو۔''
(صحیح مسلم، حدیث نمبر:1899۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر:2419)

(ب) دوسری حدیث:

'' حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ ملے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جبرائیل! مجھے ایسی اُمت کی طرف بھیجا گیا ہے جو اَن پڑھ ہے۔ پھر ان میں سے کوئی بوڑھا ہے، کوئی بہت بوڑھا، کوئی لڑکا ہے کوئی لڑکی اور کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (کتاب) نہیں پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمد ﷺ! قرآن سات حرفوں (سبعہ احرف) پر اُترا ہے۔''

(ترمذی، حدیث نمبر:2944)

(ج) تیسری حدیث:

'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل نے پہلے مجھے قرآنِ مجید ایک حرف کے مطابق پڑھایا۔ پھر میں نے کئی بار اصرار کیا اور مطالبہ کیا کہ قرآنِ مجید کو دوسرے حروف (Versions) کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ وہ مجھے یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں (سبعہ احرف) تک پہنچ گئے۔
اس روایت کے راوی امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ سات حروف، جن کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی حرف تھے۔ ان کے مطابق پڑھنے سے

حلال وحرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔''

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 3219۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1902)

(ج) چوتھی حدیث:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتے سنا جب کہ اس سے پہلے میں نے نبی ﷺ کو اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا تھا۔ میں اس آدمی کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور آپ ﷺ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو میری بات ناگوار گزری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:
تم دونوں ٹھیک طرح پڑھتے ہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔''

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 3476)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدا میں قرآنِ مجید کو مقامی لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی۔ جو دراصل ایک ہی عربی زبان کے الفاظ کے مختلف تلفظات (Pronunciations) تھے جو دنیا کی ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔

2۔ کیا ایک کے سوا باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں؟

غامدی صاحب کے موقف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ایک قراءت کے سوا باقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

غالبًا یہ نکتہ (بلکہ اسے حربہ کہنا زیادہ موزوں ہے) غامدی صاحب نے جناب پرویز صاحب سے سیکھا ہے جو تمام احادیث کو عمر بھر عجمی سازش کا نتیجہ قرار دیتے رہے۔ اب انہی کے انداز میں غامدی صاحب نے بھی قرآن مجید کی ایک قراءت کے سوا باقی سب قراءتوں کو عجم کا فتنہ قرار دے ڈالا ہے۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس ''قراءتِ حفص'' کو وہ ''قراءتِ عامہ'' کا جعلی نام دے کر صحیح مان رہے ہیں وہ دراصل امام عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ کی قراءت ہے جس کو امام ابو حفص نے اُن سے روایت کیا ہے اور خود امام عاصم بن ابی النجود عربی النسل نہیں تھے بلکہ عجمی النسل تھے۔ چنانچہ امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' میں پہلے سبعہ قراء (سات مشہور قراء حضرات) کے یہ نام لکھے ہیں:

1۔ عبداللہ بن کثیر...... (م 120ھ)
2۔ نافع بن عبدالرحمٰن...... (م 169ھ)
3۔ عبداللہ بن عامر
4۔ ابوعمرو بن علاء...... (م 154ھ)
5۔ عاصم بن ابی النجود...... (م 128ھ)
6۔ حمزہ بن حبیب...... (م 156ھ)
7۔ علی بن حمزہ الکسائی...... (م 189ھ)

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ:

((ولیس فی ھؤلاء السبعة من العرب الّا ابن عامر وابو عمرو.))

''اور ان ساتوں میں سوائے ابن عامر اور ابوعمرو کے کوئی بھی عربی النسل نہیں۔''

(امام زرکشی، البرہان فی علوم القران، جلد اوّل، صفحہ 329، طبع بیروت)

اب غامدی صاحب اگر عربی النسل قراء کی قراءتوں کو عجم کا فتنہ کہہ کر اُن کا انکار کر سکتے ہیں تو وہ ایک عجمی قاری کی قراءت (امام عاصم کی قراءت جس کی روایت امام حفص نے کی ہے اور جسے غامدی صاحب ''قراءتِ عامہ'' کا نام دے کر صحیح مانتے ہیں) کو کسی دلیل سے صحیح مانتے ہیں؟ اگر عربی قراءتیں محفوظ نہیں رہیں اور وہ عجم کے فتنے کا شکار ہوگئی ہیں تو ایک عجمی قراءت عجم کے فتنے سے کیسے محفوظ رہ گئی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ متواتر قراءتیں عجم کا فتنہ نہیں ہیں، بلکہ غامدی صاحب خود [illegible]

ہیں۔

3۔ کیا امت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے؟

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے۔ عظیم اکثریت کی بنا پر قرآن کی ایک ہی قراءت ہونے کا دعویٰ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ دنیائے اسلام میں چونکہ حنفی فقہ کے پیروکاروں کی اکثریت ہے اس لیے صرف فقہ حنفی ہی صحیح فقہ ہے اور صرف یہی اسلامی فقہ ہے اور باقی تمام فقہیں فتنہ عجم کے باقیات ہیں۔ ظاہر ہے ایسا دعویٰ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو یا تو احمق ہو، یا انتہائی درجے کا متعصب ہو، یا پھر فتنہ پرور ہو۔

4۔ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟

اب ہم غامدی صاحب کے موقف کے اس نکتے پر بحث کریں گے کہ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

غامدی صاحب کا یہ موقف ہرگز صحیح نہیں ہے کہ قرآن کا متن ایک قراءت حفص کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے متن میں تمام قراءاتِ متواترہ کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس رسم الخط کی خوبی اور کمال یہی ہے کہ اس میں تمام قراءاتِ متواترہ (سبعہ بلکہ عشرہ) کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءتیں اس ایک متن میں سما جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی آیت ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کو لیجیے۔ اسے رسم عثمانی (بغیر اعراب اور نقطوں کے) میں یوں لکھا گیا تھا:

﴿ ملك يوم الدين ﴾

اس آیت میں لفظ ملك کو مٰلِكِ اور مَلِكِ دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے اور یہ دونوں قراءتیں متواترہ ہیں۔ قراءتِ حفص میں اسے مٰلِكِ (میم پر کھڑا زبر) اور قراءتِ ورش میں اسے مَلِكِ (میم پر زبر) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حجاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یعنی روزِ جزا کا مالک یا روزِ جزا کا بادشاہ۔ بادشاہ بھی اپنے علاقے کا مالک ہی ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کے نظائر سے بھی ان دونوں مفاہیم کی تائید ملتی ہے۔ اس طرح قراءات کا یہ اختلاف اور تنوع قرآنِ مجید کے رسم عثمانی میں موجود ہے۔

اب مذکورہ لفظ ملك کے رسم عثمانی پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ غامدی صاحب کی رائے کے برعکس اس قرآنی لفظ کا متن قراءت ورش (مَــلِكِ) کو زیادہ قبول کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں قراءتِ حفص کو کم قبول کرتا ہے۔ پہلی قراءت (ورش) میں اسے بغیر تکلف کے مــلك کو مَــلِكِ پڑھا جا سکتا ہے۔ اور دوسری قراءت (حفص) میں اسے تھوڑے سے تکلف (کھڑا زبر) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(1) پہلی دلیل:

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ یہی لفظ جب سورۂ الناس، آیت 2 میں آتا ہے تو رسم عثمانی کے مطابق اس طرح آتا ہے: ﴿ ملك الناس ﴾ اور سب اسے ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ﴾ پڑھتے ہیں جو کہ متن کے بالکل قریب ایک صحیح قراءت ہے اور اسے کوئی بھی مٰــــلِكِ (کھڑے مد کے ساتھ) نہیں پڑھتا۔ لہٰذا سورۂ الفاتحہ میں بھی مٰـلِكِ کو مَــلِكِ پڑھنے کی

پوری پوری گنجائش موجود ہے اور قراءت ورش کے مطابق یہ بالکل جائز اور درست ہے۔

(2) دوسری دلیل:

اس کی دوسری دلیل سورۂ ھود، آیت: 41 کے لفظ مَجْرٖیهَا میں ہے کہ:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖيهَا وَمُرْسٰهَا ﴾

اسے رسم عثمانی میں یوں لکھا گیا ہے:

﴿ لسم الله محرها ومرسها ﴾

اس میں لفظ ﴿ محرها ﴾ کو قراءاتِ متواترہ میں تین طرح سے پڑھا جاتا ہے:

محرها	(اصل رسم عثمانی)
1۔ مَجْرٰيهَا	(ایک متواتر قراءت کے مطابق)
2۔ مُجْرِيهَا	(دوسری متواتر قراءت کے مطابق)
3۔ مَجْرَےٖ هَا	(تیسری متواتر قراءتِ حفص کے مطابق)

اس سے معلوم ہوا کہ رسم عثمانی کے مطابق لکھا ہوا یہ لفظ (محرها) جو کہ قرآن کا اصل متن ہے وہ تینوں متواتر قراءتوں کو قبول کر لیتا ہے اور اسے تینوں طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔ بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں پہلی دو قراءتیں تیسری قراءت حفص سے متداول میں زیادہ متداول اور زیادہ فصیح عربی کے قریب ہیں۔ کیونکہ یہی لفظ جب مشہور جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کے معلقے میں آتا ہے

صبنت الكأس عنا امّ عمرٍو
وكان الكأس مجراها اليمينا

تو اس شعر کے لفظ "مجراها" کو بھی عام طور پر مَجْرٰيهَا پڑھا جاتا ہے۔ اسے قراءتِ

حفص کی طرح کوئی بھی مَجْرَ ىٰهَا نہیں پڑھتا۔

(3)تیسری دلیل:

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ خود قراءتِ حفص (جسے وہ قراءتِ عامہ کا نامانوس نام دیتے ہیں) میں بھی قرآنِ مجید کے کئی الفاظ کی دو دو قراءتیں درست ہیں۔ گویا ایک ہی قراءتِ حفص میں بھی بعض قرآنی الفاظ کو دو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ جیسے:

ا: سورۂ البقرہ، آیت: 245 میں ہے کہ؛

﴿ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ﴾

میں لفظ يَبْصُطُ کو يَبْسُطُ بھی پڑھا جاتا ہے، جس کے لیے ہمارے ہاں کے مصاحف میں حرف صاد کے اوپر چھوٹا سین ڈال دیا جاتا ہے۔

ب: سورۂ الغاشیہ، آیت 22 میں ہے کہ؛

﴿ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾

میں لفظ بِمُصَيْطِرٍ کو بِمُسَيْطِرٍ بھی پڑھا جاتا ہے۔

ج: سورۂ الطّور، آیت: 37 میں ہے کہ؛

﴿ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴾

میں لفظ الْمُصَيْطِرُوْنَ کو الْمُسَيْطِرُوْنَ بھی پڑھا جاتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی اور قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟ ایسا دعویٰ صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جو علم قراءات سے نابلد ہو، رسم عثانی سے بے خبر ہو اور جس نے کبھی آنکھیں کھول کر قرآن کے متن کو نہ پڑھا ہو۔

دراصل قراءاتِ متواتر کا یہ اختلاف دنیا کی ہر زبان کی طرح تلفظ اور لہجے کا اختلاف

ہے۔ ان سے قرآنِ مجید میں کوئی ایسا ردّ و بدل نہیں ہو جاتا، جس سے اس کے معنی اور مفہوم تبدیل ہو جائیں یا حلال حرام ہو جائے بلکہ ان کے باوجود بھی قرآن قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

خود ہماری اُردو زبان میں اس کی ایک مثال یہ ہے:

''پاکستان کے بارہ میں'' ...... یا...... ''پاکستان کے بارے میں''

یہ ''بارہ'' اور ''بارے'' دونوں درست ہیں۔ یہ تلفظ اور لہجے کا فرق ہے، مگر معنی کا فرق نہیں ہے۔

اسی طرح انگلش کا لفظ Schedule ہے۔ اس کے دو تلفظ ''شیڈول'' اور ''سکیجوئل'' ہیں اور دونوں درست ہیں اور یہ بھی محض تلفظ اور لہجے کا فرق ہے کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔

بالکل یہی حال قرآنِ مجید کی مختلف قراءاتِ متواترہ کا ہے۔

2۔کیا قرآن میزان ہے؟

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ ''الفرقان'' اور ''المہیمن'' وغیرہ اسماء قرآنی کی طرح ''المیزان'' بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''چوتھی چیز یہ ہے کہ قرآن مجید اس زمین پر حق و باطل کے لیے ''میزان'' اور ''فرقان'' اور تمام سلسلہ وحی پر ایک ''مہیمن'' کی حیثیت سے نازل ہوا ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ﴾

(الشوریٰ:17)

''اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اُتاری، یعنی میزان نازل کی ہے۔''

اس آیت میں ''والمیزان'' سے پہلے ''وْ'' تفسیر کے لیے ہے۔ اس طرح ''المیزان'' درحقیقت یہاں ''الکتاب'' ہی کا بیان ہے۔آیت کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے لیے قرآن اُتارا ہے جو دراصل ایک میزان عدل ہے اور اس لیے اُتارا ہے کہ ہر شخص اس پر تول کر دیکھ سکے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا باطل۔ چنانچہ تولنے کے لیے یہی ہے۔اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جا سکے۔''

(میزان،ص22،طبع دوم اپریل2002ء)

(اُصول ومبادی،ص22,23 طبع فروری2005ء)

ہمارے نزدیک میزان نہ تو قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام ہے اور نہ اس کی صفات میں سے کوئی صفت بلکہ وہ میزان ہرگز نہیں ہے۔جس آیت سے اُنہوں نے قرآن

کے میزان ہونے کا استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

1۔ قرآن مجید کے پچپن (55) اسماء اور صفات کی مکمل فہرست امام بدر الدین زرکشی نے ''البرہان فی علوم القرآن'' میں اور امام سیوطی نے ''الاتقان'' میں دے دی ہے مگر ان میں ''میزان'' کا نام یا صفت ہرگز شامل نہیں ہے۔

(ملاحظہ ہو: البرہان فی علوم القرآن، جلد اوّل ص273 تا276)

2۔ علامہ زمخشری (جسے غامدی صاحب ''امام اللغۃ مانتے ہیں، ملاحظہ ہو: میزان حصہ اوّل ص128 طبع 1985ء) نے اپنی تفسیر الکشاف میں سورۃ الشوریٰ کی مذکورہ بالا آیت میں ''الکتاب'' سے قرآن مراد نہیں لیا بلکہ ''جنس الکتاب'' مراد لی ہے جس کا مطلب ہے وہ سلسلۂ کتب جو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نازل کیا ہے۔ اس سے خاص قرآن مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ ہر الہامی کتاب اس میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زمخشری نے میزان کو قرآن کی صفت نہیں مانا بلکہ ''وَ'' کو عاطفہ مانا ہے اور قرآن اور میزان کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا ہے۔ نیز انہوں نے میزان کے دو معنی لکھے ہیں ایک ''عدل و انصاف'' اور دوسرے ''ترازو''

لہٰذا جب عربی زبان کے امام لغت نے مذکورہ آیت میں نہ تو قرآن کو میزان قرار دیا ہے اور نہ ''وَ'' کو بیان یا تفسیر کے معنوں میں لیا ہے بلکہ واؤ عاطفہ قرار دے کر اس سے ''عدل و انصاف'' ...... ''ترازو'' کے معنی لیے ہیں تو غامدی صاحب کس بنیاد پر اس آیت سے قرآن کا میزان ہونا مراد لے سکتے ہیں؟ الکشاف میں پورا حوالہ یہ ہے:

(('انزل الکتاب' أی جنس الکتاب(والمیزان) والعدل والتسویة، و معنی انزال العدل أنه انزله فی کتبه المنزلة وقیل الذی یوزن به.))

(الکشاف جلد3، ص465، طبع مصر، 1392ھ)

آیت مذکورہ کا یہی مفہوم امام طبری نے ''تفسیر طبری'' میں، امام قرطبی نے ''تفسیر قرطبی''

میں، حافظ ابن کثیر نے ''تفسیر ابن کثیر'' میں، علامہ شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں، علامہ محمود آلوسی نے ''روح المعانی'' میں اور احمد مصطفیٰ مراغی نے ''تفسیر مراغی'' میں بیان کیا ہے۔

ان میں سے کسی مفسر نے اس آیت میں ''الکتاب'' سے نہ تو قرآن مراد لیا ہے اور نہ میزان کو اس کی صفت قرار دیا ہے۔ بلکہ اُمت مسلمہ کے یہ تمام معتمد علیہ اور عربی زبان وادب کے ماہر مفسرین کرام اس آیت کا ایک ہی مفہوم مراد لیتے ہیں کہ اس میں الکتاب سے سلسلۂ کتب مراد ہے اور میزان سے یا تو عدل و انصاف مراد ہے یا پھر ترازو مراد ہے ان میں سے کسی نے بھی اس آیت کا وہ مفہوم نہیں لیا جو غامدی صاحب اس آیت سے کشید کرتے ہیں۔

3۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنا اعلیٰ اور معتبر ترین تفسیر ہوتی ہے کیونکہ ''القرآن یفسر بعضه بعضاً'' کا اُصول ایک مسلمہ اُصول ہے۔ اس اُصول کے تحت جب ہم اس آیت کے نظائر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان سے بھی قرآن کا میزان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر صرف دو آیات ملاحظہ ہو:

(ا) ..... ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾

(الحدید:27)

''بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور ترازو بھی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہر دور میں واضح نشانیوں کے ساتھ پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور ان کتابوں کے ساتھ ترازو یعنی عدل و انصاف کا تصور اور اس کے بارے میں حکم بھیجا تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور ظلم و زیادتی سے باز رہیں۔

مذکورہ آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن میزان ہے کیونکہ اگر یہ مان لیا

جائے کہ قرآن میزان ہے تو لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ قرآن تمام پیغمبروں پر نازل ہوا ہے جب کہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔ میزان تو پہلے بھی تھی اور عدل و انصاف کا تصور اور حکم پہلے بھی تھا مگر قرآن صرف اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی پر نازل ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میزان نہیں ہے۔

(ب)...... ''میزان'' کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لیے ایک نظیر یہ بھی پیش نظر رہے کہ:

﴿ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ٥ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ٥ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ٥ ﴾

(الرحمان: 7 تا 9)

''اور اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھ دی تاکہ تم لوگ تولنے میں زیادتی نہ کرو بلکہ انصاف سے پورا تولو اور کم نہ تولو۔''

سورۂ رحمان کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر میزان یعنی ترازو رکھنے کو واضح فرمایا ہے، پھر یہ حکم دیا ہے کہ تول ٹھیک رکھو، پورا تولو اور تول میں کمی نہ کرو، ان آیات کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنانے کے بعد انسانوں کو میزان کا تصور دیا ہے تاکہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں، تول پورا رکھیں اور تول میں ہرگز کمی نہ کریں۔

یہ آیات بھی قرآن کے میزان ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ کیونکہ آسمان، زمین، سورج اور چاند کی تخلیق کے ساتھ اوّل روز سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو میزان یعنی عدل و انصاف کا تصور دیا اور پھر حکم دیا کہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں اور ترازو سیدھی تولیں اور ڈنڈی نہ ماریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول سے بھی بہت پہلے ''وَضَعَ الْمِيزَانَ'' (میزان رکھی گئی) ہو چکی تھی۔ اس لیے قرآن کو میزان قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

4۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ میزان (ترازو) کا کام کسی شے کو صرف تولنا

اور اس کا وزن بتانا ہوتا ہے، اس کا کام اچھی اور بُری یا اصلی اور نقلی چیز میں فرق و امتیاز کرنا نہیں ہوتا۔ آپ اصلی اور نقلی سونے کو تول کر اُن کا وزن معلوم کر سکتے ہیں مگر میزان کے ذریعے سونے کے اصلی یا نقلی ہونے کا پتہ نہیں چلا سکتے۔ میزان کا کام تولنا ہے وہ کھری چیز کو بھی تولے گی اور کھوٹی چیز کو بھی تولے گی، وہ حلال شے کو بھی تولے گی اور حرام شے کو بھی تولے گی مگر وہ کھری اور کھوٹی چیز میں یا حلال اور حرام شے میں امتیاز نہیں کر سکے گی۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب وہ قرآن کو ''میزان'' قرار دیتے ہیں تو وہ قرآن کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ قرآن مجید ایک ایسی میزان ہے جو اس لیے نازل ہوئی تاکہ لوگ اس کے ذریعے سے ہر طیب، نجس، پاک اور ناپاک چیز کو تول کر اس کا وزن معلوم کر لیا کریں۔

5۔ دراصل غامدی صاحب کے لیے قرآن کو ''میزان'' کہنا ایک ''ضرورت'' ہے تاکہ وہ اس کی آڑ میں آسانی سے جس حدیث کا جب چاہیں یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ یہ تو قرآن کی ''میزان'' پر تولنے کے بعد ''باطل'' ثابت ہوئی ہے لہٰذا اسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ یاد رہے کہ غامدی صاحب اپنی اس ''میزان'' کے حربے سے بالفعل بہت سی احادیث صحیحہ کا انکار کر چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن میزان ہے ایک بالکل بے اصل بات ہے۔

3۔ کیا سورۃ النصر مکی سورہ ہے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ سلف و خلف کے تمام مفسرین کے نزدیک سورۂ نصر مدنی ہے اور اس کے مدنی سورہ ہونے پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے۔

مگر جناب جاوید غامدی صاحب نے اس متفقہ اور مجمع علیہ امر میں بھی اختلاف پیدا کیا ہے اور اُن کو سورۂ نصر کے مکی سورہ ہونے پر اصرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اُلٹی تفسیر ''البیان'' (میں اس تفسیر کو اُلٹی اس لیے کہتا ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے شروع ہو کر ابتدائی سورتوں کی طرف اُلٹے رُخ پر چلی آ رہی ہے اور ابھی تک نامکمل ہے) میں لکھتے ہیں:

> ''سورۃ النصر کا مرکزی مضمون آپ کے لیے سرزمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت اور آپ کو یہ ہدایت ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے پروردگار سے ملاقات کی تیاری کریں۔
>
> سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے یہاں اس سورہ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُم القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت و براءت میں آپ ﷺ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔''

(البیان: ص:252، مطبوعہ 2000ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب سورۂ نصر کو مکی قرار دیتے ہیں اور ''مرحلہ ہجرت و براءت'' کے زمانے میں اس کا نزول بتاتے ہیں۔ اسی بات کو وہ دوسرے مقام پر مختصر اور واضح طور پر یوں فرماتے ہیں کہ:

> ''ساتواں باب سورۂ ملک سے شروع ہو کر سورۂ الناس پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں

آخری دو یعنی معوذتین مدنی اور باقی سب مکی ہیں۔"

(البیان: صفحہ 6)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں سورۂ نصر بھی مکی ہے کیونکہ وہ بھی سورۂ ملک اور معوذتین کے درمیان واقع ہے۔ البتہ اُن کے نقطۂ نظر کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لیے پہلے حوالے میں ایک دریافت طلب بات یہ ہے کہ "مرحلہ ہجرت و براءت" سے اُن کی کیا مراد ہے تو اسے بھی خود ان کی زبانی سنئے، وہ لکھتے ہیں:

"مرحلہ ہجرت و براءت الماعون 107......الاخلاص 112۔"

"قریش کے سرداروں کی فردِ قرارداد جرم، اُنھیں عذاب کی وعید اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بشارت کہ حرم کی تولیت اب اُن کی جگہ آپ ﷺ کو حاصل ہوگی اور آپ کے دشمنوں کی جڑ اس سرزمین سے ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی۔" (107، 108)

"اُم القریٰ کے ائمۂ کفر سے آپ کا اعلانِ براءت اور سرزمین عرب میں غلبۂ حق کی بشارت۔ 109، 110۔"

"قریش کی قیادت، بالخصوص ابولہب کا نام لے کر اس کی ہلاکت کی پیشین گوئی اور نبی ﷺ کی طرف سے، اس مرحلے کے اختتام پر عقیدۂ توحید کے فیصلہ کا اعلان۔ (111، 112)"

(البیان: صفحہ 14)

گویا غامدی صاحب کا خود ساختہ مرحلہ "ہجرت و براءت" دراصل ہجرت سے پہلے کا مکی دور ہے اور وہ سورۂ نصر کو اسی دور کی نازل شدہ مکی سورت مانتے ہیں۔ ایک اور مقام پر جناب غامدی قرآن مجید کے بارے میں اپنے خود ساختہ "سات ابواب" میں آخری باب کی وضاحت کرتے ہوئے بھی سورۂ نصر کو مکی سورہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ قرآن مجید کا ساتواں باب ہے۔ اس میں الملک (67) سے الناس (114)

تک 48 سورتیں ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین، اور اس باب میں ان کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے پہلی 46 سورتیں اُم القریٰ مکہ میں، اور آخری دو الفلق اور الناس ہجرت کے فوراً بعد مدینے میں نازل ہوئی ہیں۔"
قرآن مجید کے دوسرے سب ابواب کی طرح یہ چیز اس باب میں بھی ملحوظ رہے کہ یہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا اور مدنیات پر ختم ہوجاتا ہے۔"

(البیان: صفحہ 11)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں زمانی اعتبار سے بھی سورۂ نصر ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہونے والی مکی سورت ہے۔ ہمارے نزدیک غامدی صاحب کی مذکورہ رائے نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ اجماعِ مفسرین اور اجماعِ اُمت کے بھی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں ہم ذیل میں چند معتبر اور مستند تفاسیر کے حوالے پیش کرتے ہیں:

۱:...... **تفسیر الکشاف** از علامہ محمود زمخشری

((سورة النصر، مدنية وهي ثلاث آيات..... روي أنها نزلت في أيام التشريق بمنى في حجة الوداع.))

(تفسیر الکشاف، ج:4، صفحہ:293، مطبوعہ مصر)

"سورۂ نصر مدنی ہے، اس کی تین آیات ہیں...... روایت ہے کہ یہ سورت ایام تشریق میں منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔"

۲:...... **تفسیر قرطبی** از امام قرطبی

((وهي مدنية باجماع و تسمّى سورة التوديع، وهي ثلاث آيات وهي آخر سورة نزلت جميعاً، قاله ابن عباس في صحيح مسلم.))

(الجامع لاحکام القرآن، جلد:10، صفحہ 229)

"اور وہ (سورۂ نصر) مدنی ہے، اس کے مدنی ہونے پر اجماع ہے۔ اسے سورۂ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین آیتیں ہیں۔ یہ آخری مکمل

نازل ہونے والی سورت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول نقل ہوا ہے۔''

۳:...... **تفسیر ابن کثیر** از حافظ ابن کثیر

((تفسیر سورة إذا جاء نصر الله والفتح وهي مدنية.))

(تفسیر القرآن العظیم، جلد4، ص561، مطبوعہ بیروت)

''تفسیر سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح اور یہ سورۃ مدنی ہے۔''

۴:...... **تفسیر رازی** از امام فخر الدین رازی

((هذا السورة من أواخر ما نازل بالمدينة.))

(تفسیر کبیر: جلد32، ص150، مطبوعہ تہران)

''یہ سورۃ مدینے میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ایک ہے۔''

۵:...... **تفسیر روح المعانی** از علامہ محمود آلوسی

((وتُسمّى سورة إذا جآء، وعن ابن مسعود: أنها تسمّى سورة التوديع لما فيها من الإيماء إلى وفاته عليه الصلاة والسلام وتوديعه الدنيا وما فيها..... وهي مدنية على القول الأصح في تعريف المدني..... عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه قال: هذه السورة نزلت على رسول الله ﷺ أوسط أيام التشريق بمنى وهو في حجة الوداع."

(روح المعانی: ج16، ص458)

''اور یہ (سورۂ نصر) سورۂ إذا جَآءَ بھی کہلاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اسے سورۂ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کی وفات اور آپ ﷺ کے دنیا و مافیہا سے رُخصت ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اور یہ ''مدنی'' کی تعریف کے صحیح ترین قول کے مطابق مدنی

ہیں۔"

۸:...... **فتح القدیر** از امام شوکانی

((إذا جاء نصر اللّٰه والفتح وتسمعی سورة التوديع هي ثلاث آيات وهي مدنية بلاخلاف.))

(فتح القدیر: جلد5، صفحہ 724)

"یہ سورہ إذا جاء نصر الله والفتح ہے اور یہ الوداعی سورہ بھی کہلاتی ہے۔ اس کی آیات تین ہیں۔ اور اس کے مدنی ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔"

۹:...... **البرھان فی علوم القرآن** از بدرالدین زرکشی

یہ اگرچہ تفسیر کی کتاب نہیں ہے لیکن علوم القرآن کے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ اس میں سورۂ إذا جاء نصر اللّٰه یعنی سورۂ نصر کو بالاتفاق مدنی سورتوں کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: البرہان فی علوم القرآن، جلد اول، ص194)

۱۰:...... **تدبر قرآن** از مولانا امین احسن اصلاحی

اس میں بھی سورۂ نصر کو "بالاتفاق مدنی" قرار دیا گیا ہے۔ اور اصلاحی صاحب اسے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے نازل شدہ مدنی سورت مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"ہجرت اور فتح و نصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے (یہ سورہ جو بالاتفاق مدنی ہے) ایک مکی سورہ کی مثنیٰ قرار پائی۔ اس سورہ کے زمانہ نزول سے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں سے یہ سب سے آخری سورہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے

قول کو ترجیح حاصل ہے۔"

(تدبر قرآن: جلد 9، صفحہ 615، 616)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام مفسرین اور علمائے اُمت کے نزدیک سورۂ نصر مدنی سورت ہے۔ اس کے مدنی ہونے پر اجماعِ اُمت ہے اور امام قرطبی نے، جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا، اس پر اجماع نقل کیا ہے اور امام شوکانی کہتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کو آخر ایک اجماعی متفق علیہ امر میں اختلا ف پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

میرے نزدیک اس کا واحد سبب اُن کے وہ من گھڑت، خود ساختہ اور موضوعہ اُصولِ تفسیر و اُصولِ دین ہیں جن کا لازمی نتیجہ اُمت کے متفقہ اور مجمع علیہ مسائل میں بھی اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے اور جس سے اُمت میں افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ حدِ رجم کا مسئلہ ہو یا مرتد کی سزا کا، جہاد و قتال کا حکم ہو یا قراءاتِ سبعہ کا، حدود میں عورت کی گواہی کا مسئلہ ہو یا دیت کا، وحی خفی کی بات ہو، یا عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اُٹھا لینے کی یا پھر رسولوں کا قتل ممکن ہونے کی۔ غامدی صاحب ہر معاملے میں اُمت سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں اور اس غیر سبیل المؤمنین پر چلتے دکھائی دیتے ہیں جو کعبے کی بجائے ترکستان کو جاتی ہے۔

4۔ قرآن کی معنوی تحریف کے نادر نمونے

جناب جاوید احمد غامدی صاحب نہ صرف احادیث صحیحہ کے منکر ہیں، بلکہ وہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے کے عادی بھی ہیں۔ اُن کے ہاں تحریفِ قرآن کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس مضمون میں اُن کی تحریفِ قرآن کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

غامدی صاحب ''اسلام کے حدود و تعزیرات'' پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔ (سورہ) مائدہ میں ہے:

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ (5:32)

''جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اُس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔''

(میزان، صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء، مطبوعہ لاہور)

غامدی صاحب کی محولہ بالا عبارت تہ در تہ مغالطہ آمیزی اور پیچ در پیچ گمراہی کا مرقع ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ پوری آیت نہ لکھنا:

غامدی صاحب نے اپنی تحریر میں سب سے پہلے یہ مغالطہ اور فریب دیا ہے کہ اُنھوں

نے سورۂ المائدہ کی آیت پوری نہیں لکھی کیوں کہ اگر وہ پوری آیت لکھ دیتے تو اس سے وہ اپنا من پسند مفہوم کشید نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اُنھوں نے مذکورہ آیت کا صرف اتنا حصہ لکھا ہے جس سے اُن کو اپنا خودساختہ مفہوم نکالنے میں کچھ آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ اُن کی یہ حرکت ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ مکمل آیت یوں ہے:

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴾

(المائدۃ:32)

"اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے سزا کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی، اس نے گویا سارے انسانوں کی جان بچائی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر واضح احکام لے کر اُن کے پاس آئے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔"

یہ وہ اصل آیت ہے جس کا من پسند ٹکڑا الگ کر کے غامدی صاحب نے اپنا مطلوبہ مفہوم کشید کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دو جرائم قتل اور فساد فی الارض کو چھوڑ کر موت کی سزا نہیں ہے۔" گویا اس مقام پر غامدی صاحب نے اسی طرح قرآن کی معنوی تحریف کر دی ہے جیسے کوئی شخص قرآن کی سورہ النساء آیت 43 کی درج ذیل عبارت:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ..... ﴾

(النساء:43)

''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو......''
میں سے اُس کے آخری الفاظ '' وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی '' (جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو) حذف کر کے اس سے یہ مفہوم نکالے کہ قرآنِ مجید مسلمانوں کو نماز کے قریب جانے سے روکتا ہے۔

ایسی جسارت صرف وہی شخص ہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو اور جسے آخرت کی جواب دہی کا احساس نہ ہو۔

2۔ مذموم تفسیر بالرائے:

غامدی صاحب نے اسلامی شریعت میں موت کی سزا کے بارے میں بحث کرتے ہوئے پہلا کمال تو یہ دکھایا کہ آیت پوری نہیں دی کیونکہ مذکورہ آیت کے مضمون کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے جس کا کوئی تعلق اسلامی حدود و تعزیرات سے نہیں۔ دوسرے، مذکورہ آیت بھی یہودیوں کے قانون قصاص سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس قانون کے فلسفہ و حکمت کے بارے میں ہے جبکہ یہودیوں کا قانونِ قصاص قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ﴾

(المائدة:45)

''ہم نے یہودیوں کے لیے توریت میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح زخموں کا بھی ویسا ہی بدلہ لینا ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور جو اللہ کے نازل کیے

ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔''

سورۃ المائدۃ کی جس آیت سے غامدی صاحب نے موت کی سزا کو صرف دو جرائم تک محدود کر دیا ہے، اُس آیت کو دوسرے تمام مفسرین کی طرح اُن کے استاد ''امام'' امین احسن اصلاحی بھی اسلامی حدود و تعزیرات کا ماخذ نہیں سمجھتے بلکہ انھوں نے بھی اس آیت کے مضمون کو یہودیوں سے متعلق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں مذکورہ آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾

''یہ اُس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت و عظمت بیان ہوئی ہے۔ ''جان کے بدلے جان'' کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ سورہ میں بھی آگے آ رہا ہے۔ یہاں چوں کہ مقصود یہود کی شرارت و شقاوت کو نمایاں کرنا ہے، اس وجہ سے قانونِ قصاص کا اصل فلسفہ بیان فرمایا گیا۔ یہود پر قتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا۔ لیکن پھر وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہو گئے۔''

(تدبر قرآن، جلد 2، صفحہ 503)

لہٰذا یہ غامدی صاحب کی تحریفِ قرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کا شاخسانہ ہے کہ اُنھوں نے المائدۃ کی آیت مذکورہ کو اس کے سیاقِ کلام سے کاٹ کر اس کا صرف ایک تہائی ٹکڑا کر لکھ

کر اس سے وہ معنی نکالے جو اُن کے استاد ''امام'' سمیت آج تک کسی مفسر نے نہیں نکالے کہ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم پر دی جاسکتی ہے اور ''اللہ تعالیٰ نے اسے پوری صراحت'' سے بیان فرمادیا ہے جس کے بعد کسی فرد یا حکومت کو دو جرائم (قتل اور فساد فی الارض) کے سوا کسی اور جرم میں موت کی سزا دینے کا کوئی حق نہیں جبکہ اہل علم جانتے ہیں کہ قتل کے قصاص کا قانون تو سورۃ البقرۃ کی آیت 178 میں بیان ہوا ہے اور فساد فی الارض یا محاربہ میں موت کی سزا کا قانون سورۃ المائدۃ کی آیت 33 میں مذکور ہے۔

زیر بحث آیت کا موت کی سزا کے قانون سے تعلق نہیں۔ یہ تلعب بالقرآن ہے جو غامدی صاحب کا مشغلہ ہے کہ وہ زنا کی سزائے رجم بھی المائدۃ 33 سے نکال لیتے ہیں۔

3۔ احادیث صحیحہ کا انکار:

غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ذریعے کئی احادیثِ صحیحہ کا انکار بھی کر ڈالا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صحیح احادیث (جو تواتر کی مانند ہیں) میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم، یعنی سنگساری کی سزا موجود ہے جو کہ موت کی سزا ہے۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں مرتد کے لیے موت کی سزا مقرر ہے۔ غامدی صاحب نے ایک ہی سانس میں ان دونوں شرعی حدود کا انکار کر دیا ہے۔ ان کی یہ حرکت دیگر منکرین حدیث کی طرح کا صریح انکارِ حدیث اور انکارِ سنت ہے اور قرآن وسنت کے باہمی تعلق کو ختم کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ کیونکہ حدیث وسنت دراصل قرآن ہی کی شرح ہے اور حجت اور واجب الاطاعت ہے۔ مگر غامدی صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ سنّت سے ثابت شدہ بہت سے احکام کے منکر ہیں۔

4۔ اجماعِ اُمت کا انکار:

غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت میں اجماعِ اُمت کا انکار بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس

بات پر اجماعِ اُمت نہیں ہے کہ شریعت میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر ہے بلکہ اجماعِ اُمت کی رُو سے شادی شدہ زانی اور مرتد دونوں کے لیے بھی موت کی شرعی سزا مقرر ہے اور ان دونوں جرائم ...... شادی شدہ شخص کے زنا اور ارتداد کی سزائے موت ...... کے غامدی صاحب منکر ہیں۔

5۔ اسلامی شریعت کا انکار:

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ صرف دو جرائم ہی پر موت کی سزا ہے یا تو اسلامی شریعت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے یا پھر خانہ ساز شریعت ایجاد کرنے کے شوق کا شاخسانہ ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں صرف مذکورہ دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر موت کی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی جرائم پر موت کی سزا مقرر ہے، جیسے شادی شدہ زانی کے لیے سنگساری اور مرتد کے لیے سزائے موت۔ لہٰذا غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ضمن میں اسلامی شریعت کے حدود و تعزیرات کا بھی انکار کر دیا ہے۔

خلاصۂ کلام :...... منکرِ حدیث جناب جاوید غامدی کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ پورے قرآنِ مجید میں کہیں بھی اس طرح کی کوئی تحدید نہیں کی گئی کہ ان دو جرائم کے سوا اللہ تعالیٰ کے قانون میں کسی فرد یا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی شخص کو موت کی سزا دے۔ اگر غامدی صاحب کے مذکورہ نظریہ کو مان لیا جائے تو معاذ اللہ اس قرآنی حکم کی سب سے پہلی نافرمانی خود حضرت محمد ﷺ نے کی جنھوں نے عملی طور پر شادی شدہ زانیوں اور مرتدوں کو بھی موت کی سزا دی۔ العیاذ باللہ!

6۔ تحریفِ قرآن کی چند دیگر مثالیں:

غامدی صاحب کے ہاں تحریفِ قرآن، تلعب بالقرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کی

مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کی کتاب ''البیان'' سے چند آیات کا ترجمہ و تفسیر پیش کرتے ہیں:

1۔ سورۃ اللہب میں ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے۔''

پھر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

''یعنی اُس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے۔''

(البیان، صفحہ 260، تاریخ اشاعت ستمبر 98، لاہور)

2۔ سورۃ الاخلاص میں ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''وہ اللہ سب سے الگ ہے۔''

(البیان، صفحہ 261)

3۔ سورۃ الفیل میں ﴿ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ؛

''تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا۔''

(البیان، صفحہ 240)

4۔ سورۃ البروج میں ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴾ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ؛

''مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھائی والے۔''

(البیان، صفحہ 157)

اور پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ؛

''یہ قریش کے اُن فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ اُنھیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اُس گھائی میں پھینک دیے جائیں گے جو

ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔اس کی آگ نہ کبھی دھیمی ہوگی اور نہ بجھے گی۔''

(البیان، صفحہ 157)

اس طرح جاوید احمد غامدی صاحب آج کل کبھی پس پردہ اور کبھی پردۂ سکرین پر آ کر تحریفِ قرآن کی رسم زندہ رکھے ہوئے ہیں، فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کر رہے ہیں، روشن خیال اعتدال پسندی (Enlightened Moderation) کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی فرمارہے ہیں اور دین اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنے میں مصروف ہیں۔

5۔سورۃ الفیل کی غلط تاویل

قرآنِ مجید کی سورۃ الفیل میں اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی صحیح، متفقہ اور مجمع علیہ تفسیر میں بھی غامدی صاحب نے اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصل واقعہ جس پر سلف سے خلف تک، تمام مفسرین کرام کا اتفاق اور اجماع ہے، مختصر طور پر یہ ہے کہ یمن کا ایک متعصب عیسائی حکمران اَبرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر ہاتھیوں کے ہمراہ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تا کہ اسے مسمار کر دے۔قریش مکہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، اس لیے وہ اس موقع پر قریب پہاڑوں میں چلے گئے۔ جب وہ لشکر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی مُحَسَّر میں پہنچا تو اچانک ایک طرف سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے، جنھوں نے اس لشکر پر سنگ ریزوں اور کنکروں کی بارش کر دی۔ اس کے نتیجے میں ہاتھیوں سمیت پورا لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے خانہ کعبہ کی حفاظت فرمائی اور ابرہہ کا منصوبہ ناکام بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

اصحابِ فیل کے واقعے کی اس تفسیر پر تمام مفسرین کرام کا چودہ سو برس سے اتفاق اور اجماع موجود ہے۔ اس کے برعکس جناب جاوید احمد غامدی صاحب سورۂ فیل کا درج ذیل ترجمہ اور تفسیر فرماتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ٥ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ٥ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ٥ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ

سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ○ ﴾

''اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔''

''تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ اُن کی چال کیا اُس نے اکارت نہیں کر دی؟ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے مسلط نہیں کر دیے؟ (اس طرح کہ) تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا اور اُس نے اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔''

(البیان، صفحہ 239، مطبوعہ جنوری 2000ء)

اس ترجمے میں سب سے پہلے الرَّحِیْم کے ترجمے ''جس کی شفقت ابدی ہے'' کی انفرادیت کی داد دیجیے گا اور اس کے بعد ﴿ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ کے ترجمہ ''(اس طرح کہ) تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا۔'' پر سر دُھنیے گا۔

پھر ذرا اُن تفسیری حواشی پر بھی نظر ڈالیے جو جناب جاوید غامدی صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ پہلی آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ:

یمن کا نائب السلطنت ابرہہ جب نو ہاتھیوں اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر بیت الحرام کو ڈھا دینے کی غرض سے مکہ پر حملہ آور ہوا، تو قریش کھلے میدان میں، اُس کے مقابلے کی طاقت نہ پا کر منیٰ کے پہاڑوں میں چلے گئے، اور وہیں سے اُنھوں نے اس لشکر جرار پر سنگ باری کی۔ اُن کی یہ مدافعت، ظاہر ہے کہ انتہائی کمزور تھی، لیکن اللہ پروردگارِ عالم نے اپنی قوتِ قاہرہ اس میں شامل کر دی اور اس کے نتیجے میں ہوا کے تند و تیز طوفان (حاصب) نے ابرہہ کی فوجوں کو اس طرح پامال کیا کہ وادیٔ محصب میں پرندے دنوں اُن کی نعشیں نوچتے رہے۔ اُس زمانے کے ایک شاعر ابوقیس نے کہا ہے:

فأرسل من ربهم حاصب
يلفهم مثل لف القزم

''پھر اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر حاصب بھیجی گئی جو خس و خاشاک کی

طرح اُنھیں لپیٹی چلی جاتی تھی۔"

"تو نے دیکھا نہیں، میں واحد کے صیغے سے خطاب کا جو اُسلوب اس آیت میں ہے، یہ بالعموم اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب مخاطبین کے ایک ایک شخص کو فرداً فرداً متوجہ کرنا پیش نظر ہو۔"

(البیان، صفحہ 239)

اس کے بعد تیسری آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ ابرہہ کی فوجوں کی بے بسی سے کنایہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ساف وحاصب کے طوفان سے اُنہیں اس طرح پامال کیا کہ کوئی اُن کی لاشیں اُٹھانے والا بھی نہ رہا۔ وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خور پرندے اُنھیں نوچنے اور کھانے کے لیے، اُن پر جھپٹ رہے تھے۔"

(البیان، صفحہ 240)

پھر آگے چل کر آیت 4 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اصل میں تَرْمِیْهِمْ ہے۔ یہ اس سے پچھلی آیت میں عَلَیْهِمْ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوا ہے۔ ہوا کہ تند وتیز تھپیڑوں کے ساتھ ابرہہ کے لشکر پر آسمان سے جو سنگ باری ہوئی، اس کے لیے اگر غور کیجیے تو یہ لفظ نہایت صحیح استعمال ہوا ہے۔ پرندوں کے پتھر پھینکنے کے لیے، جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اسے کسی طرح موزوں قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

(البیان، صفحہ 240)

پھر آگے چل کر آیت 54 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اصل میں كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ کے الفاظ آئے ہیں۔ کسی چیز کا نام اُس کے انجام کے لحاظ سے رکھنا عربی زبان کا ایک معروف اُسلوب ہے۔ یہ اسی نوعیت کی ترکیب ہے اور آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری مدافعت اگرچہ ایسی کمزور تھی کہ تم

پہاڑوں میں چھپے ہوئے اُنہیں کنکر پتھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کہ انھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔"

(البیان، صفحہ 241)

غامدی صاحب نے سورۃ الفیل کی جو تفسیر فرمائی ہے وہ قرآن کے نظائر، اجماعِ اُمت اور تاریخ و کلامِ عرب کے خلاف ہے، اس لیے ناقابلِ قبول ہے۔ اب ہم اپنے نقطہ نظر کو تفصیل سے پیش کریں گے۔

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر:

سب سے پہلے ہم اس سورہ کی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو دیکھتے ہیں:

1۔ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں صحیح بخاری کی اس حدیث ((إِنَّ اللّٰـهَ حبس عن مكة الفيل.)) کی شرح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

((وأخرجه ابن مردويه بسند حسن عن عكرمة، عن ابن عباس قال: جاء أصحاب الفيل حتى نزلوا الصفاح وهو بكسر المهملة ثم فاء ثم مهملة موضع خارج مكة من جهة طريق اليمن، فأتاهم عبدالمطلب فقال: إن هذا بيت الله لم يسلط عليه أحدا، قالوا لا نرجع حتى نهدمه، فكانوا لا يقدمون فيلهم إلا تأخر، فدعا الله الطير الأبابيل فأعطاها حجارة سوداء فلما حاذتهم رمتهم فما بقي منهم أحد إلا أخذته الحكة فكان لا يحكّ أحد منهم جلده إلا تساقط لحمه.))

(جلد 15، صفحہ 255، مطبوعہ بیروت)

''اور ابن مردویہ نے عکرمہ سے اور اُنہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہاتھیوں والے آئے اور وہ صفاح کے مقام پر پہنچ گئے جو مکہ سے باہر (مضافات میں) یمن کے راستے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ عبدالمطلب ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''یہ اللہ کا گھر ہے جس پر وہ کسی اور کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔'' وہ بولے: ''ہم اس کو گرائے بغیر واپس نہ جائیں گے۔'' اُن کے ہاتھی آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ اس وقت اللہ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بلا لیے، ان کو سیاہ کنکر دے دیے۔ پھر جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے اُن پر کنکر برسائے (جس سے وہ سب مر گئے) اور جو کوئی بچ گیا تو اسے حُکّہ (جلد کی بیماری) نے آلیا جس سے اس کے جسم کا گوشت اس سے الگ ہو کر گر جاتا تھا۔''

2۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں سورۃ الفیل کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے:

((روی عن عکرمة عن ابن عباس، قال: لما أرسل اللّٰه الحجارة علی أصحاب الفیل لم یقع حجر علی أحد منهم إلا نفط جلده وثار به الجدري.))

(ج 32، ص 100، مطبوعہ تہران)

'' عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر کنکر بھیجے تو ان میں سے جس کو وہ کنکر لگا، اس کی کھال گلنے لگی اور اس کو جدري (جلد کی بیماری) نے آلیا۔''

اب ظاہر ہے قرآن کی جس تفسیر کو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث مجمل طور پر بیان کر رہی ہو، اسی حدیث کی تشریح ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرما رہے ہوں تو پھر اس تفسیر میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ پہنچنے سے روک دیا اور

پرندوں کے کنکر پھینکنے کے ذریعے ان کو تباہ کر دیا تھا اور اس دعویٰ کا کیا جواز رہتا ہے کہ ہاتھیوں کا لشکر تو قریش کے پتھراؤ سے برباد ہوا اور پرندے صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔

2۔قرآن کا اسلوبِ بیان:

سب سے پہلے اس سورہ میں قرآنِ مجید کے اسلوبِ بیان پر غور کریں تو آغاز میں أَلَمْ تَرَ (کیا تو نے نہیں دیکھا) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اسلوبِ بیان قرآن میں عموماً غیر معین مخاطب کے لیے آتا ہے۔ جسے اصطلاح میں خطاب لغیر معین کہا جاتا ہے اور یہ استفہامِ انکاری کے طور پر آتا ہے۔ اس اُسلوب میں کوئی خاص فرد یا گروہ مخاطب نہیں ہوتا بلکہ عام انسانوں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں ہے کہ:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ ﴾

(الفجر:6)

''کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے قومِ عاد سے کیا سلوک کیا۔''

ایک اور مثال یہ ہے کہ:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾

(الفرقان:45)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے۔''

اس طرح سورۂ فیل کے شروع میں بھی أَلَمْ تَرَ کا خطاب کسی خاص فرد یا گروہ کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے خاص قریش کو مخاطب ماننا ہرگز درست نہیں ہے۔

3۔تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کی تفسیر کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ اُصول جسے سب جانتے ہیں، یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ اس اُصول کے مطابق جب ہم سورۂ فیل پر غور کرتے ہیں تو

اس کی کئی نظیریں موجود ہیں۔

ا پہلی نظیر یہ ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ ﴾

(الفجر: 6)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے قومِ عاد سے کیا سلوک کیا۔''

یہ آیت اپنے اندازِ بیان ہی سے واضح کر رہی ہے کہ قومِ عاد کے لیے جس عذابِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے، اس میں کسی انسانی کوشش اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔قومِ عاد پر جو عذاب بھیجا گیا وہ کوئی انسانی فعل نہیں تھا بلکہ سراسر قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ ﴾ ...... ''کیا تو نے دیکھا کہ تیرے ربّ نے کیا کیا۔'' کے اُسلوب سے واضح ہے کہ اس کے ضمن میں واقع ہونے والے فعل کا فاعل صرف ربّ ہی ہے۔ بالکل اسی طرح سورۂ فیل کے شروع میں بھی پہلی آیت یوں ہے کہ:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ ٥ ﴾

(الفیل: 1)

''کیا تو نے دیکھا کہ تیرے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔''

اس آیتِ زیرِ بحث کا اُسلوبِ بیان بھی اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آگے جو فعل بیان ہوگا اس کا فاعل صرف ربّ ہے، بندوں کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا اصحابِ فیل کے واقعے کی تفسیر میں ابرہہ کے لشکر کو تباہ کرنے میں بندوں کا خواہ وہ قریش ہوں یا کوئی اور، قطعاً کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ قریش کے کسی فعل کو بیان کرنے کے لیے یہ اُسلوب بالکل مناسب نہیں ہے۔

ب دوسری نظیر یہ ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾

(الفرقان: 45)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے۔''

ظاہر ہے اشیا کا سایہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے گھٹتا بڑھتا ہے اور سورج کی روشنی کے مختلف زاویوں سے بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت میں انسانی فعل اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ یہاں بھی اُسلوبِ بیان وہی ہے جو سورۂ فیل کے شروع میں بیان ہوا ہے۔

ج تیسری نظیر یہ ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾

(العنکبوت:19)

''کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اشیاء کو پہلی بار پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت ہے، اس میں انسانی محنت اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

اس آیت کا اندازِ بیان بھی سورۂ فیل کی مذکورہ آیت جیسا ہے، لہٰذا اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی میں بھی قریش یا دوسرے انسانوں کی کسی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔

د چوتھی نظیر یہ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ ﴾

(نوح:15)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح اوپر تلے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔''

اب ظاہر ہے کہ جس طرح سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر تلے پیدا کرنے میں کسی انسان کے کسب وفعل کو دخل نہیں، اسی طرح سورۂ فیل میں بھی اس کے آغاز کے اُسلوب بیان میں اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی میں قریش کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔

4۔ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ کے معنی:

قرآن میں جہاں کہیں کسی قوم کی ہلاکت و برباد کے سلسلے میں اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ کے الفاظ آئے ہیں، وہاں اس کے بعد آنے والا اسم اس قول کی ہلاکت و بربادی کی شکل کے طور پر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو عذاب کی صورت قرار دیا ہے۔ قرآن میں اس کی کئی مثالیں ہیں:

الف: پہلی مثال یہ ہے:

﴿ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۝ ﴾

(الذاریات: 41)

''اور عاد کے بارے میں، جب ہم نے اُن پر منحوس آندھی چلا دی۔''

اس مقام پر جس طرح اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ کے بعد جو الرِّیْحَ الْعَقِیْم (منحوس آندھی) ہے، وہ قومِ عاد پر عذاب کی شکل ہے جس سے ان کی ہلاکت و بربادی ہوئی۔ بالکل اسی طرح ﴿ وَاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴾ ...... ''اور ہم نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ مسلط کر دیے۔'' میں بھی اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ کے بعد جو طَیْرًا اَبَابِیْلَ (جھنڈ کے جھنڈ پرندے) آیا ہے تو یہی عذابِ الٰہی کی وہ صورت ہے جس کے ذریعے اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی ہوئی۔ اس کے باہر عذاب کا کوئی اور سبب تلاش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ب: دوسری مثال یہ ہے:

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ ط ﴾

(سبا: 16)

''پھر ہم نے اُن پر بند کا سیلاب مسلط کر دیا۔''

اس مقام پر بھی قومِ سبا جس ذریعے اور سبب سے ہلاک ہوئی وہ سَیْلَ الْعَرِم ہے جو اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ کے فوراً بعد آیا ہے۔ بالکل یہی انداز سورۂ فیل کا بھی ہے۔

ج: تیسری مثال یہ ہے:

﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ۝ ﴾

(الذاریات:33)

''تاکہ ہم اُن پر کھنگر کے پتھر برسائیں۔''

اس جگہ پر قومِ لوط علیہ السلام کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ (تاکہ ہم اُن پر مسلط کر دیں) کے بعد حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ (کھنگر کے پتھر) آیا ہے جو کہ قومِ لوط کی ہلاکت و بربادی کی شکل ہے۔ بالکل یہی معاملہ سورۂ فیل میں بھی ہے۔ وہاں بھی وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ میں طَيْرًا أَبَابِيلَ ہی اصحابِ فیل کی تباہی کی صورت اور ذریعہ بنے ہیں نہ کہ قریش کا پتھراؤ یا کچھ اور۔

5۔ تَرْمِيهِمْ کا مفہوم

غامدی صاحب تَرْمِيهِمْ میں فعل کا فاعل قریش کو قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اُن کا سرے سے اس سورت میں کہیں ذکر نہیں اور یہ ان کی ذہنی اختراع اور اُپج کے سوا کچھ نہیں۔

ہم اس سے پہلے واضح کر چکے ہیں کہ أَلَمْ تَرَ کا خطاب عام اور غیر معین ہوتا ہے۔ اس سے کوئی خاص گروہ مراد لینا قرآنی اسلوب کے خلاف ہے۔ اس لیے یہاں قریش مخاطب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کو یہاں مخاطب سمجھنا قرآنِ مجید کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ تَرْمِيهِمْ میں فاعل کی ضمیر اپنے قریبی مرجع طَيْرًا أَبَابِيلَ کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پرندوں کے جھنڈ ہی تھے جو ہاتھی والوں پر کنکریاں پھینکتے تھے اور جس کے نتیجے میں اصحابِ فیل تباہ ہوئے۔

اس مقام پر ایک اور لغوی نکتہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ عربی زبان میں رمي کا فعل کسی چیز کو صرف بازو یا فلاخن (بازو سے گھما کر کسی چیز کو غلیل کی طرح دور تک پھینکنے والا آلہ) کے ذریعے پھینکنے کے معنوں میں آتا ہے اور یہ لفظ اوپر سے کسی چیز کو گرانے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربیت میں رمي کا

لفظ کئی معنوں میں آتا ہے۔ اس کے معنی کسی چیز کو ہاتھ یا فلاخن سے پھینکنے کے بھی ہیں اور بلندی سے نشانہ باندھ کر کوئی چیز نیچے گرانے کے معنی بھی ہیں۔ اصل میں اس لفظ کے مفہوم میں بلندی یا پستی کا کوئی مفہوم شامل نہیں بلکہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم کسی چیز کا نشانہ لے کر اس پر کوئی شے پھینکنا ہے۔ اہل عرب آج کل لڑاکا اور بمبار طیاروں کی گولہ باری اور بمباری کے لیے بھی یہی رمي کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن میں رمي کے مجازی معنی کسی پر تہمت لگانے، الزام تراشی کرنے اور بہتان طرازی کرنے کے بھی آئے ہیں، جیسا کہ سورۂ نور میں ہے کہ:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾

(النور:4)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں۔''

لہٰذا رمي کے لفظ کو صرف بازو اور فلاخن کے ذریعے کسی چیز کے پھینکنے کے معنوں میں محدود اور منحصر سمجھنا عربیت کے خلاف ہے۔

6۔ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کے معنی:

تفسیر کا یہی طریقہ سب سے عمدہ اور مستند ہے کہ پہلے قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ اسی انداز میں صرف دو بار آئے ہیں اور دونوں مقامات پر ان سے مراد ''عذابِ الٰہی کے پتھر'' ہیں نہ کہ انسانوں (یا قریش) کے پھینکے ہوئے پتھر۔

پہلی جگہ یہ الفاظ سورۂ ھود کی آیت 82 میں اس طرح آئے ہیں کہ:

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ ﴾

(ھود:82)

''پھر جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے اس (بستی) کی بلندی کو پستی بنا دیا اور ہم نے وہاں کھنگر کے پتھر برسا دے۔''

یہ قومِ لوط پر عذاب الٰہی کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے عذاب کے پتھروں کے لیے آئے ہیں۔ ان سے انسانوں کے پھینکے ہوئے پتھر یہاں کسی صورت مراد نہیں لیے جا سکتے۔

دوسرے مقام پر یہی الفاظ سورۃ الحجر کی آیت 74 میں آئے ہیں:

﴿ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾

''پھر ہم نے اُس (بستی) کو زیر و زبر کر دیا اور اُن لوگوں پر کھنگر کے برسا دیے۔''

اس جگہ بھی ﴿ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ کے الفاظ انسانوں کے پھینکے ہوئے پتھروں کے مفہوم میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی صورت میں برسائے گئے اُن پتھروں کے لیے استعمال ہوئے ہیں جن کے ذریعے قومِ لوط کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ بالکل یہی الفاظ ﴿ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ جب سورۃ الفیل میں بھی آئے ہیں تو ہم کیوں نہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابرہہ کے لشکر پر عذاب کی صورت میں برسائے گئے پتھر مراد لیں جو اُن پر پرندوں کے ذریعے پھینکے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر مسلط کر دیا تھا۔ جب یہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو سکتی ہے تو کیوں ان الفاظ کی دور از کار تاویلیں کرنی شروع کر دی جائیں۔

7۔ حَاصِبٌ یعنی سخت آندھی:

غامدی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اصحابِ فیل کا لشکر تباہ کرنے میں دو عناصر کارفرما تھے: ایک قریش کی طرف سے پتھر پھینکنا اور دوسرے بعد میں اچانک سخت آندھی (حاصب) آ جانا، مگر یہ تاویل کئی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

الف: اوّل یہ کہ اس آندھی (حاصب) کے آنے کا کوئی ذکر سورۂ فیل میں نہیں آیا ہے صرف

پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جانے کا ذکر آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سی تاویل اختیار کی جائے: وہ جسے قرآن بیان کرتا ہے یا وہ جسے قرآن بیان نہیں کرتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اصحابِ فیل کی تباہی میں آندھی (حاصب) کا عنصر شامل کرنا ایک غلط تاویل ہے اور یہ ایک من گھڑت افسانے سے زیادہ نہیں۔

ب: منیٰ کی پہاڑیوں سے قریش کا وادیٔ محسّر میں پتھر پھینک لینا یوں بھی ممکن نہیں، جو لوگ حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، وہ ان دونوں وادیوں کی وسعت سے بخوبی واقف ہیں۔

ج: تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اگر یہ ممکن ہے کہ وہ بے جان ہوا میں اتنی طاقت پیدا کر سکتا ہے جس کے ذریعے کوئی لشکر تباہ ہو جائے تو کیا اللہ تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ جاندار پرندوں کے پھینکے ہوئے سنگریزوں کے ذریعے کسی لشکر کو برباد نہ کر سکے۔ کیا یہ بات آج ایٹمی دور کے انسان کی عقل سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی سے پتھروں کو گرا کر اُن سے چھوٹے چھوٹے ایٹم بموں کا کام نہیں لے سکتا۔ افسوس ایسی انسانی عقل پر جو کہ ایک جگہ معجزے کا انکار کر دیتی ہو اور دوسری جگہ معجزے کا اقرار کر لیتی ہو۔

8۔ نصرتِ الٰہی کا قانون:

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اصحابِ فیل کے واقعے کو بھی اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے کہ افراد کی جدوجہد ہو گی تو اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرے گا۔ اگر بندے کوئی کوشش نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نصرت و تائید بندوں کی کوشش کے ساتھ ہر حال میں مشروط نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں ایسے بکثرت واقعات موجود ہیں اور تاریخ اسلام بھی اس پر شاہد ہے کہ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے کمزور اور عاجز بندے کسی بوجھ اور ذمہ داری کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ اپنے خاص فضل و کرم سے بندوں کو اُن کی سعی و

کوشش کے بغیر ہی اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔

مثال کے طور پر جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے الاؤ میں ڈالا گیا تھا تو اُس وقت اُن کی کون سی سعی و کوشش تھی جس کے نتیجے میں وہ آتشِ نمرود سے محفوظ رہے؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی وہ کون سی جدوجہد تھی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آتش کدے کو سرد کر دیا تھا۔ یا جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو ان کی وہ کون سی کوشش اور عملی جدوجہد تھی جس کے نتیجے میں ان کو وہاں سے نجات ملی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اُنہوں نے اس مصیبت کے وقت دعا اور تسبیح کی تھی تو یہی دعا واقعہ اصحابِ فیل میں بھی موجود ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عبدالمطلب اور دوسرے سردارانِ قریش نے خانہ کعبہ کے دروازے پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ اُن کو ابرہہ کے لشکر کے خطرے سے بچائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور قریش کو اس آفت سے نجات دلائی۔

یا پھر جب حضرت محمد ﷺ مکہ سے ہجرت فرماتے وقت اپنے گھر سے نکل رہے تھے اور اس گھر کا محاصرہ شمشیر بردار جوانوں نے کر رکھا تھا تو اس وقت نبی ﷺ نے اپنے تحفظ کے لیے کون سی عملی کوشش فرمائی تھی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر گھر سے بحفاظت نکل گئے تھے۔

اور یہ تو انفرادی واقعات کی مثالیں تھیں۔ اجتماعی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا قانون صرف وہ نہیں جو غامدی صاحب نے سمجھ رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر فلسطین جا رہے تھے اور ان کے آگے بحیرۂ قلزم کی موجیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں تھیں تو اس وقت وہ کون سی عملی جدوجہد تھی جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی سمندر کو بحفاظت پار کر گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا تھا؟

غامدی صاحب اس واقعے کی جہت سے تاویل کریں گے کہ اُس وقت بحرِ قلزم کے مدوجزر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل تو بسلامت پار اُتر گئے لیکن اندھے فرعون اور اس

کے لشکروں کو سمندر کی اس صورتِ حال کا علم نہیں ہوسکا اور وہ مد و جزر کی زد میں آ کر غرق ہو گئے تھے۔ مگر یہ تاویل قرآن کے صریح الفاظ اور نصوص کے اس قدر خلاف ہے اور عقلی اعتبار سے اتنی بھونڈی ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔

9۔ تاریخ و کلام عرب کی شہادت:

خود تاریخ و کلامِ عرب کی شہادت بھی سورۂ فیل کی متفقہ اور مجموعہ علیہ تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ پرندوں کی سنگ باری ہی سے ابرہہ کا لشکر تباہ ہوا تھا۔

نفیل بن حبیب، جو کہ قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتا تھا اور جس نے ایک موقع پر ابرہہ کے لشکر کی رہنمائی بھی کی تھی، اُس موقع پر کہتا ہے کہ:

حَمِدْتُ اللّٰہَ اِذْ اَبْصَرْتُ طَیْرًا
وَخِفْتُ حِجَارَۃً تُلْقَی عَلَیْنَا

''جب میں نے پرندوں کو دیکھا تو اللہ کی تعریف کی اور ان پتھروں سے ڈرا جو ہم پر پھینکے جا رہے تھے۔''

(محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب، 1/545، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، لاہور، 1967ء)

اسی طرح عبداللہ بن قیس جو کہ قبیلہ بن عامر بن لوی بن غالب سے تھا، اُس نے اس واقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے تھے:

کَادَہُ الْأُشْرَمُ الَّذِيْ جَآءَ
بِالْفِیْلِ فَوَلّٰی وَجَیْشُہٗ مَھْزُوْمٌ
وَاسْتَھَلَّتْ عَلَیْھِمُ الطَّیْرُ
بِالْجَنْدَلِ حَتّٰی کَاَنَّہٗ مَرْجُوْمٌ

''(ابرہہ) اشرم نے جو ہاتھی لے کر آیا تھا اس کعبے کے خلاف چال چلی مگر اس کی فوج کو شکست ہوگئی اور وہ پیٹھ دکھا کر لوٹ گیا۔ پرندوں نے اُن پر پتھروں

سے ہلہ بول دیا اور اس کی حالت یہ ہوگئی کہ گویا اسے سنگسار کر دیا گیا ہے۔"

(بلوغ الارب، جلد اوّل، صفحہ 552)

10۔ اجماعِ اُمت کے خلاف:

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن وسنت کے جن تفسیری اُمور پر اجماعِ اُمت ہے، اُس کے خلاف کوئی تاویل جائز نہیں۔ ایسی ہر تاویل گمراہی اور ضلالت کے سوا کچھ نہیں۔ سورۂ فیل کی متفقہ اور مجمع علیہ تفسیر وہی ہے جو ہم اس مضمون کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں، اس کے ہوتے ہوئے محض اختلاف کے شوق میں نئی تفسیر کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چودہ برس سے پوری اُمت مسلمہ تو قرآنِ مجید کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی اور صرف آج کل کے غامدی صاحب جیسے نام نہاد دانشور اُسے سمجھتے ہیں۔ کیا عقلِ سلیم یہ مان سکتی ہے کہ سلف وخلف کے علمائے اسلام تو کتابِ مبین کی صحیح تفسیر نہیں کر سکتے اور آج کے وہ لوگ جن کا سرمایۂ افتخار ہی مغرب زدگی اور روشن خیالی ہے۔ جن کے اذہان مغرب سے مرعوب ہو کر اصولِ دین کو بگاڑنے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ جو "سبیل المؤمنین" کی شاہراہ کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی پگڈنڈیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ جن کے جنونِ اختلاف نے ان کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے؛ کتاب اللہ کی پہلی بار درست تفسیر فرما رہے ہیں؟

دراصل سورۂ فیل کا مرکزی مضمون اور موضوع قریش کو ہیرو بنا کر پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اُن کا محض معاون و مددگار ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس سورہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے نوعِ انسانی کے سامنے یہ حقیقت کھول کر بیان کی ہے کہ فی الواقع وہی قادرِ مطلق ہے۔ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ سب کے سامنے اصحابِ فیل کا واقعہ ہوا تھا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ تھی جس نے خانہ کعبہ کی حفاظت فرمائی کیوں کہ قریش کے لیے بیت اللہ کا دفاع کرنا ممکن نہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کمزور اور حقیر مخلوق پرندوں کے ذریعے ایک بڑے طاقتور دشمن کو نیست و

نابود کردیا اور قریش کو بھی ہلاکت و بربادی سے بچالیا۔ شرک کے پجاری اور اُن کے جھوٹے معبود سب بے بس تھے، مگر اس موقع پر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تھی، جس نے اپنے گھر کو اور اہل مکہ کو ایک عظیم خطرے اور آفت سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی قادرِ مطلق اور معبودِ حقیقی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور بندوں کو صرف اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

6۔ غُثَاءً اَحْوٰی کا ترجمہ وتفسیر

ہم ذیل میں غامدی صاحب کے ایک غلط ترجمے کی نشان دہی کریں گے جو اُنھوں نے قرآنِ مجید کی سورۂ اعلیٰ کے درج ذیل مقام پر کیا ہے:

﴿ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی o فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی o ﴾

(الاعلیٰ:5-4)

اپنی اُلٹی تفسیر ''البیان'' (جو آخری سورتوں سے پہلی سورتوں کی طرف اُلٹے رخ پر آتی ہے اور نامکمل ہے) میں غامدی صاحب نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''اور جس نے سبزہ نکالا، پھر اُسے گھنا سرسبز وشاداب بنادیا۔''

(البیان، صفحہ 165)

یہ ترجمہ ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے اور اس ترجمے اور مفہوم پر ہمارے اعتراضات یہ ہیں:

1۔ یہ ترجمہ ومفہوم عربیت کے خلاف ہے۔عربی میں غُثَاء کا لفظ'' گھنے سبزے'' کے معنوں میں نہیں آتا۔

2۔ یہ ترجمہ خود قرآنِ مجید کے نظائر کے خلاف ہے۔

3۔ یہ ترجمہ احادیث کے شواہد کے بھی خلاف ہے۔

4۔ یہ ترجمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ علیہ کے اقوال کے بھی خلاف ہے۔

5۔ یہ ترجمہ اجماعِ اُمت کے بھی خلاف ہے کیوں کہ کسی مفسر نے آج تک غُثَـاء کے معنی ''گھنے سبزے'' کے نہیں کیے۔

ہمارے نزدیک اس مقام کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ:

''اور جس نے سبز چارہ نکالا اور پھر اُسے سیاہ کوڑا کرکٹ بنادیا۔''

اب ہم اپنے موقف کی تائید میں تفصیلی دلائل پیش کریں گے۔

1۔عربی لغت کے دلائل:

مشہور عربی لغت لسان العرب میں اہل لغت کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ " غُثَـاءً أَحْوٰی " کے معنی سیاہ خشک گھاس یا خس و خاشاک کے ہیں۔

1۔ ((**الفراء في قوله تعالىٰ: ﴿ وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ○ ﴾ قال: إذا صار النبت يبيسًا فهو غثآء، والأحوى: الذى قد اسود من القدم والعتق، وقد يكون معناه أيضًا أخرج المرعٰى أحوى أي أخضر فجعله غثآء بعد خضرته فيكون مؤخرا معناه التقديم. والأحوى: الأسود من الخضرة كما قال: ﴿ مُدْهَآمَّتَانِ ﴾.**))

(لسان العرب، جلد 14، صفحہ 207)

"فراء نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ ﴿ وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهُ غُثَـاءً أَحْوٰى ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ جب نباتات سوکھ کر خشک ہو جائے تو اسے غثاء کہتے ہیں اور احوی اس چیز کو کہتے ہیں جو بوسیدگی اور قدامت کی وجہ سے سیاہ ہو جائے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ أخرج المرعی کہ اسے سبزا اُگایا اور پھر خشک کر دیا اور اس طرح دونوں جملوں میں تاخیر و تقدیم ہو گئی ہے اور أحوی کے معنی زیادہ سرسبز و شاداب ہونے کی وجہ سے سیاہ ہونے کے بھی ہیں جیسے (قرآن میں) مُدْهَآمَّتَانِ "دو سرسبز سیاہی مائل باغ" آیا ہے۔"

2۔ ((**وقال الزجاج في قوله تعالى: ﴿ وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ○ ﴾ قال: غثاء جفّفه حتى صيّره هشيما جافا كالغثآء الذي تراه فوق السيل، وقيل معناه أخرجه المرعى**

الأحوى أى أخضر فجعله غثآء بعد ذلك أي يابسًا.))

(لسان العرب، از ابن منظور، جلد 15، صفحہ 116)

''الزجاج نے اللہ کے اس ارشاد: ﴿ وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ غثاء بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اس سبزے اور نباتات کو خشک اور چورا بنا دیا جیسے سیلاب کے اوپر خس و خاشاک نظر آتے ہیں۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی أَخْرَجَ الْمَرْعٰى الأَحْوٰى یعنی سبز نباتات کو اُگایا اور پھر اس کے بعد اسے غثآء یعنی خشک کر دیا۔

3۔ ابن قتیبہ نے ''تفسیر غریب القرآن'' میں لکھا ہے کہ:

((فَجَعَلَهُ غُثَاءً أى يبسا.))

''پھر اسے غثاء بنا دیا یعنی خشک بنا دیا۔''

((أحوى أسود من قدمه واحتراقه.))

''جو بوسیدگی یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہو۔''

(تفسیر غریب القرآن، صفحہ 524، طبع بیروت)

4۔ مشہور لغوی مفسر علامہ زمخشری نے غُثَآءً کے بارے میں یہ تحقیق کی ہے:

((وهو الحميل السيل مما بلي وأسود من العيدان والورق.))

(الکشاف للزمخشری، جلد 3، صفحہ 32، طبع بیروت)

''﴿ غُثَاءً ﴾ سے مراد سیلاب کے خشک اور سیاہ خس و خاشاک ہیں جو اصل میں بوسیدہ لکڑیوں کے ٹکڑے اور درختوں اور پودوں کے سوکھے ہوئے پتے ہوتے ہیں۔''

5۔ امام راغب اصفہانی ''المفردات فی غریب القرآن'' میں لکھتے ہیں:

((قوله عزوجل: ﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ﴾ أي شديد السواد.

(مادہ "حوا" کے تحت) وقیل تقدیرہ: والذي أخرج المرعى أحوى فجعله غثاء، والحوة: شدة الخضرة.)) (صفحه 271)

"اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ﴾ سے مراد گہری سیاہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترتیب کلام یوں ہے کہ وہ جس نے سبز چارہ نکالا پھر اسے سیاہ کر دیا۔ ویسے حوۃ گہرے سبز رنگ کو بھی کہتے ہیں۔"

پھر مادہ غثا کے تحت تحریر کیا ہے کہ:

((الغثآء: غثاء السيل والقذر، ويضرب به المثل فيما يضيع ويذهب غير معتد به.))

(صفحہ 602، طبع دار القلم، دمشق 1416ھ)

"﴿ غُثَاءً ﴾ سے مراد سیلاب کا خس و خاشاک ہے۔ یہ مثال اُس چیز کے بارے میں دی جاتی ہے جو ضائع ہو کر ختم ہو جائے۔"

2۔ عربی تفاسیر کے حوالے سے:

1۔ تفسیر طبری میں علامہ ابن جریر طبری نے ﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ:

((﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً ﴾ فجعل المرعى غثاء، وهو ما جف من النبت ويبس، فطارت به الريح (الأحوى) متغير إلى الحوة، وهو السواد بعد البياض، أو الخضرة.))

(تفسیر طبری، سورۃ الاعلیٰ)

"پھر چارے کو غُثَاءً بنا دیا اور غُثَاءً کہتے ہیں اُس نباتات کو جو خشک ہو جائے اور جسے ہوا اُڑائے پھرتی ہو۔ الأحوى بنا دیا یعنی حوۃ میں تبدیل کر دیا اور حوۃ کہتے ہیں اُس سیاہی کو جو سفیدی یا سبزی کے بعد ہو جائے۔"

2۔ تفسیر الکشاف میں غُثَاءً کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((أحوى صفة لغثآء: أي ﴿ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴾ أنبته ﴿ فَجَعَلَهٗ ﴾ بعد خضرته ورفيفه ﴿ غُثَاءً أَحْوٰى ﴾ دريناً أسود، ويجوز أن يكون حالا من المرعى، أي أخرجه أحوى أسود من شدة الخضرة والري فجعله غثاء بعد حوته.))

(الکشاف، جلد 4، صفحہ 243، طبع مصر)

''احوی یہاں غُثَاءً کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ گویا أَخْرَجَ الْمَرْعٰی سے مراد ہے کہ نباتات اُگائی اور فَجَعَلَهٗ غُثَاءً أَحْوٰی یعنی اس کو تروتازہ سبزہ بنانے کے بعد سیاہ خشک کر دیا۔ اور یہ معنی بھی جائز ہیں کہ أَحْوٰی حال ہو المرعٰی کا۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہے کہ سبزہ اُگایا جو تروتازگی اور شادابی کی وجہ سے سیاہی مائل تھا اور اس کے بعد اسے خشک سیاہ بنا دیا۔''

3۔ مشہور مفسر قرطبی نے غُثَاءً کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((الغثآء: الشيء اليابس.))

''یعنی غُثَاءً سے خشک چیز مراد ہے۔''

پھر اس کی مزید تشریح کی ہے کہ:

((الغثآء ما يقذف به السيل على جوانب الوادي من الحشيش والنبات والقماش ويقال للبقل والحشيش إذا تحطم ويبس: غثاء وهشيم.))

''غُثَاءً سے مراد وہ گھاس پھوس اور کوڑا کرکٹ ہے جسے سیلاب وادیوں کے کناروں پر پھینک دیتا ہے۔ جب سبزہ اور گھاس ریزہ ریزہ اور خشک ہو جائیں تو اُسے غُثَاءً یا ھشیم کہا جاتا ہے۔''

پھر اسی تفسیر میں غُثَاءً أَحْوٰی کے بارے میں مشہور ماہرین لغت ابوعبیدہ رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ کے یہ اقوال بھی ہیں:

((وقال أبو عبيدة: فجعله أسود من احتراقه وقدمه، والرطب إذا يبس أسود، وقال عبدالرحمٰن بن زيد: أخرجه المرعى أخضر، ثم لما يبس أسود من احتراقه»، فصار غثاء تذهب به الرياح والسيول.))

''ابوعبیدہ نے اس غُثَـاءً أَحْوٰی کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے بوسیدہ ہونے یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ کوڑا کر دیا، اور سبزہ جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز نباتات اُگائی۔ پھر جب وہ خشک ہوئی اور سیاہ راکھ بن گئی تو وہ غُثَاءً ہے، جسے ہوائیں اُڑاتی ہیں اور سیلاب بہالے جاتے ہیں۔''

(ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی، جلد 10، صفحہ 17، 18، طبع بیروت)

4۔ تفسیر البحر المحیط میں ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ نے غُثَاءً أَحْوٰی کے ضمن میں لکھا ہے:

((قال ابن عباس المعنى فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى: أي أسود لأن الغثاء إذا قدم وأصابته الأمطار أسود وتعفن فصار أحوى.))

(البحر المحیط، جلد 8، صفحہ 458)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ غُثَـاءً أَحْوٰی کے معنی ہیں کہ غُثَـاءً یعنی خشک نباتات سیاہ ہوگئی۔ کیوں کہ خشک نباتات جب بوسیدہ ہوجاتی ہے تو بارش وغیرہ کے اثر سے گل سڑ کر سیاہ ہوجاتی ہے اور اُحوی ہونے کے یہی معنی ہیں۔''

5۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں ﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

((أي: فجعله بعد أن كان أخضر غثاء، أي: هشيما جافا كالغثاء يكون فوق السيل: (أحوى) أي: أسود بعد اخضراره، وذلك أن الكلأ إذا يبس أسود. قال قتادة: الغثاء الشيء اليابس.))

''مطلب یہ ہے کہ اس سبزے کو غُثَاءً بنا دیا اور غُثَاءً اُس خس و خاشاک کو کہتے ہیں جو سیلاب کے اوپر آ جاتا ہے اور أَحْوٰی بنا دیا یعنی جو پہلے سبز تھا، اُسے سیاہ بنا دیا کیوں کہ گھاس پھونس جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتی ہے۔ (مشہور تابعی) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں غُثَاءً خشک چیز کو کہتے ہیں۔''

6۔ تفسیر قاسمی (محاسن التاویل) میں محمد جمال الدین قاسمی نے لکھا ہے کہ؛

((المرعى: أي أخرج من الأرض مرعى الأنعام من صنوف النبات ﴿ فَجَعَلَهُ ﴾ أي بعد خضرته ونضرته ﴿ غُثَآءً ﴾ أي جافا يابسا تطير به الريح. ﴿ أَحْوٰى ﴾ أى أسود، صفة مؤكدة (لغثآء) لأن النبات إذا يبس تغير إلى (الحوة) وهي السواد.))

(تفسیر قاسمی، جلد 10، صفحہ 126 طبع بیروت)

''اَلْمَرْعٰی کے معنی ہیں کہ زمین سے مختلف قسم کے نباتات اُگائیں جو مویشیوں کے لیے گھاس چارہ ہے۔ فَجَعَلَهُ غُثَاءً یعنی اس نباتات کو سرسبزی و شادابی کے بعد اُسے ایسا خشک کر دیا جسے ہوا اُڑائے پھرتی ہے۔ اور أَحْوٰی کے معنی ''سیاہ'' کے ہیں اور یہ غُثَاءً کی صفت کے طور پر آیا ہے کیوں کہ جب سبزہ خشک ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔''

7۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غُثَاءً أَحْوٰی کی یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ:

((﴿ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوٰى ﴾ قال ابن عباس هشيما متغيرا.))

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر: 4/500)

''یعنی اس سے مراد سیاہ رنگ میں تبدیل شدہ کوڑا، چورا۔''

لغت و تفسیر کی ان تصریحات سے درج ذیل اُمور بالکل واضح ہیں:

1۔ لفظ غُثَاءً کے لغوی معنی یہ ہیں:

''خس و خاشاک، سوکھی ہوئی گھاس پھونس، خشک نباتات، خشک چورا اور کوڑا

کرکٹ وغیرہ۔''

2۔ لفظ أَحْوٰی کے لغوی معنی دو ہیں:

(i) ایسی نباتات جو بوسیدہ اور پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوچکی ہو۔

(ii) ایسی نباتات جو تازگی وشادابی اور زرخیزی کی وجہ سے سیاہ مائل سبز ہوگئی ہو۔

3۔ پھر جن لوگوں نے لفظ أَحْوٰی کو غُثَـاءً کی صفت مانا ہے، اُنھوں نے اس کے پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے سیاہ ہونے کا مفہوم اوران کے نزدیک دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ:

''وہ جس نے نباتات اُگائی اور پھر اسے سیاہ خس وخاشاک بنادیا۔''

4۔ جن لوگوں نے احوی کو الـمـرعی کی صفتِ مؤخر قرار دیا ہے، اُنھوں نے أحوی کو مذکورہ دوسرے معنوں میں لیا ہے اوران کی رائے میں دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے:

''وہ جس نے سیاہی مائل سبز نباتات اُگائی اور پھر اسے خس وخاشاک بنادیا۔''

گویا أَحْوٰی کے دومختلف لغوی معنوں کے باوصف جس مفہوم پر علماے لغت اور مفسرین کرام ﷭ کا کامل اتفاق اوراجماع ہے، وہ یہ ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ وعجیبہ ہے کہ اس نے پہلے سبزہ پیدا کیا اور ہر طرح کی طباتات اُگائی اور پھر کچھ عرصے کے بعد اُسے خس و خاشاک اور خشک و سیاہ چورے میں تبدیل کردیا۔''

سورۂ اعلیٰ کی ان دونوں آیات کی یہی تفسیر قرآنِ مجید کے دوسرے نصوص اور نظائر سے مطابقت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

3۔ قرآنِ مجید کے نظائر:

1۔ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ

يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

(الزمر: 21)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی اُتارتا ہے۔ پھر اسے چشمے بنا کر زمین میں چلا دیتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کی کھیتی اُگاتا ہے، پھر وہ خوب بڑھتی ہے۔ پھر تو اُسے زرد شدہ دیکھتا ہے، پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔''

2۔ سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ ﴾

(الحدید: 20)

''جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زیبائش اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد چاہنا ہے، جیسے بارش کی حالت کہ اس کی روئیدگی سے کسان خوش ہو جائیں پھر وہ اُبھرے اور تم اُسے زرد دیکھو، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔''

3۔ سورۂ کہف میں بیان ہوا:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ ﴾

(الکہف: 45)

''اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی کہ جسے ہم نے آسمان

سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہوگئی جسے ہوائیں اُڑاتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنا والا ہے۔''

آخری آیت میں ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ ...... ''اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ سرسبز نباتات اُگانا اور پھر اُسے زرد خشک اور سیاہ خس و خاشاک کر دینا اور اُسے چورا بنا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور یہی مضمون سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیات میں بھی دہرایا گیا ہے اور یہ چیز قرآن مجید میں تصریفِ آیات کے اُسلوب کے بالکل مطابق ہے کہ ایک ہی مضمون بار بار کئی طرح بیان ہوتا ہے اور اس سے ایک اور مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے کہ ((**القرآن يفسر بعضه بعضا.**)) ...... یعنی ''قرآن کا بعض حصہ اس کے بعض حصے کی تفسیر کرتا ہے'' گویا قرآن اپنی تفسیر آپ کر دیتا ہے۔

4۔ حدیث سے دلیل:

قیامت کے بارے میں ایک حدیث میں غُثَاءً کا لفظ یوں آیا ہے:

((**كما تنبت الحبة في غثاء السيل.**))

(سنن دارمی: 1/61، مسند احمد: 12013)

''جیسے سیلاب کے خس و خاشاک میں دانہ اُگتا ہے۔''

اس میں لفظ غُثَاءً کی وضاحت ابن اثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب النہایۃ میں یوں کی ہے کہ:

((**الغُثَآء بالضم والمدّ: ما يجئ فوق السيل مما يحمله من الذبد والوسخ وغيره.**))

(النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، جلد 3، صفحہ 343)

''مطلب یہ ہے کہ غُثَــآءً اُس جھاگ اور کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلاب کے پانی کے اوپر آتا ہے۔''

خلاصۂ کلام :...... یہ ہے کہ سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیات کا وہی مفہوم صحیح اور معتبر ہے جس کی تائید لغت سے ہوتی ہے اور جس کی موافقت قرآن و حدیث کے نصوص اور نظائر سے بھی موجود ہے اور جو اُمت مسلمہ کے تمام جلیل القدر مفسرین کرام کی متفقہ تفسیر کے بالکل مطابق ہے۔

5۔اُردو تراجم:

اب ہم مذکورہ آیت کے سلسلے میں پاک و ہند کے علمائے کرام کے مستند اور متداول تراجم پیش کرتے ہیں:

(1)شاہ ولی اللہ دھلویؒ :

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فارسی ترجمے ''فتح الرحمٰن'' میں مذکورہ آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

وآنکہ بر آورد گیاہِ تازہ را۔ باز ساخت آں را خشك شده سیاہ گشته.

''اور جس نے تازہ چارا نکالا۔ پھر اُسے خشک سیاہ بنادیا۔'' (راقم)

(2)شاہ رفیع الدین دھلویؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے نکالا چارہ، پس کردیا اس کو کوڑا سیاہ۔''

(3)شاہ عبدالقادر دھلویؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے نکالا چارہ۔ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔''

(4)مولانا فتح محمد خان جالندھریؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے چارہ اُگایا، پھر اُس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کردیا۔''

(5)مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے چارہ پیدا کیا۔ پھر اس کو خشک سیاہ کردیا۔''

(6)نواب وحید الزمانؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے (جانوروں کے لیے) چارہ نکالا۔ پھر اس کو (سکھا کر) کوڑا بنا دیا کالا کر دیا۔''

(7) مولانا محمود حسن دیو بندیؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے نکالا چارہ۔ پھر کر ڈالا اُس کو کوڑا سیاہ۔''

(8) مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا، پھر اُس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔''

(9) مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا ترجمہ:

''اور جس نے چارہ (زمین سے) نکالا، پھر اُسے سیاہ کوڑا کر دیا۔''

(10) مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ترجمہ:

''جس نے نباتات اُگائیں، پھر اُن کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔''

(تفہیم القرآن: 6/310)

کیا یہ سب حضرات عربیت سے نابلد تھے اور ان کو عربی نہیں آتی تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ جب مذکورہ آیت کے ایک ہی ترجمے اور مفہوم پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سمیت پوری اُمت مسلمہ کے مفسرین متفق ہیں تو یہی ترجمہ لغت کی رُو سے درست ہے۔ قرآن و حدیث کے نظائر و شواہد کے مطابق بھی یہی ترجمہ ہے تو پھر اس سے ہٹ کر غامدی صاحب کے لیے اس آیت کا کوئی اور ترجمہ اخذ کرنا جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں !!

7۔ کیا کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا؟

غامدی صاحب نے نبی اور رسول کے درمیان منصب اور درجے کے لحاظ سے فرق و امتیاز کی بحث کرتے ہوئے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو تو اُن کی قوم بعض اوقات قتل بھی کر دیتی رہی ہے مگر کسی قوم کے ہاتھوں کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔ غامدی صاحب اس امر کو ایک اُصول، ایک عقیدہ اور قانونِ الٰہی قرار دیتے ہیں کہ نبی کے لیے وفات پانے یا قتل ہونے کی دونوں صورتیں تو ممکن ہیں مگر رسول کبھی قتل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''رسولوں کے بارے میں اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کی کامل حجت بن کر آتے ہیں۔ وہ آفتابِ نیم روز کی طرح قوم کے آسمان پر چمکتے ہیں۔ کوئی دانا و بینا کسی دلیل و برہان کی بنا پر اُن کا انکار نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا اُن کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا ہوا بھی ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے...... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون اس سے مختلف ہے۔''

(ماہنامہ ''اشراق'' اگست 1988، صفحہ 68، نیز ''میزان'' حصہ اوّل، صفحہ 21، مطبوعہ مئی 1985)

پھر مزید ارشاد فرمایا ہے کہ:

''نبی اپنی قوم کے مقابلے میں ناکام ہوسکتا ہے لیکن رسولوں کے لیے غلبہ لازمی ہے۔'' (میزان حصہ، صفحہ 23، مطبوعہ مئی 1985ء)

مگر غامدی صاحب کی یہ نکتہ طرازی بالکل غلط ہے اور خود قرآنِ مجید کے نصوص اور واضح احکام کے خلاف ہے۔ قرآنِ مجید کی اکثر آیات اس قدر واضح اور صریح انداز میں (عبارۃ النص کے طریقے پر) اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ انبیائے کرام کی طرح رسولوں کا قتل ہو جانا بھی ایک امرِ واقعہ ہے۔ نبی اور رسول کے درمیان کچھ فرق و امتیاز درست سہی مگر قتل یا عدمِ قتل کا معاملہ اُن کے درمیان ہرگز فرق و امتیاز نہیں رکھتا۔

قرآنِ مجید کے نصوص:

قرآنِ مجید کے جن نصوص کی بنیاد پر ہم اس ''نئے عقیدے'' اور اس ''نرالے اُصولِ دین'' کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

1۔ سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح حضرت محمد ﷺ کے لیے بھی وفات پانے یا قتل ہو جانے کی دونوں صورتوں کا امکان موجود ہے۔ گویا آپ ﷺ کو طبعی موت بھی آ سکتی ہے اور آپ ﷺ مقتول بھی ہو سکتے ہیں:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ﴾

(آل عمران:144)

''اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

2۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ:

﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ:87)

"تو کیا جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا جو تمہارے نفس کو پسند نہ آئی تو تم نے تکبر کی راہ اختیار کی۔ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل کرتے تھے۔"

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں کئی رسول قتل ہوئے تھے۔

3۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا کہ:

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ○ ﴾

(المائدة:70)

"بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس کئی رسول بھیجے۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لایا جو اُن کو پسند نہ آئی تو بعض کو وہ جھٹلاتے اور بعض کو قتل کر ڈالتے تھے۔"

اس آیت سے بھی صریح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کئی رسولوں کو قتل کیا تھا۔

4۔ سورۂ آل عمران میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾

(آل عمران:183)

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول آئے، نشانیاں لے کر اور اس

دوسرا باب:

حدیث وسنت

9۔شادی شدہ زانی کے لیے سزائے رجم کا انکار

غامدی صاحب نے شادی شدہ زانی کے لیے رجم یعنی سنگساری کی شرعی سزا (حد) ہونے کا بھی انکار کیا ہے، حالاں کہ یہ سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ چنانچہ وہ سورۂ النور، آیت 2: ﴿ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ..... ﴾ ...... ''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو......'' کے حکم کو عام حکم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زانی خواہ کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کے لیے اسلام میں صرف سو کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ شریعت میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم (سنگساری) کی سزا نہیں ہے۔

اس طرح غامدی صاحب نے شادی شدہ زانیوں کے لیے رجم یعنی سنگساری کی اُس حد کا انکار کیا ہے جو سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ ہے۔

غامدی صاحب اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں کہ:

1۔ ''کوئی زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کی اصل سزا تو جلد (تازیانہ) ہی ہے۔''

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 183، مطبوعہ مئی 1985ء)

2۔ ''تعجب ہوتا ہے کہ یہ اصحابِ عقل وبصیرت آخر کس طرح فرض کر لیتے ہیں کہ قرآن میں تو لامحالہ صرف کنوارے زانیوں ہی کی سزا بیان ہوئی ہے، رہے شادی شدہ زانی تو اُن کی سزا چونکہ ''عقل وحکمت'' اور ''عدل وانصاف'' کی رُو سے زیادہ ہونی چاہیے۔

اس لیے قرآن سے نہ بھی ملے تو کسی اور جگہ سے تلاش کر کے وہ ان پر نافذ کر دینی چاہیے۔"

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 168، مطبوعہ مئی 1985ء)

3۔ "لغت عرب سے واقف کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ " اَلـزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ " کے الفاظ سے محض کنوارا زانی اور کنواری زانیہ بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 135، طبع مئی 1985ء)

4۔ "موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور قتل کر ڈالے۔ مائدہ میں ہے:

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ (5:32)

"جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔"

(میزان، صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء)

شادی شدہ زانی کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ موقف کہ اسے وہی سزا (سو کوڑے) دی جائے گی جو کنوارے زانیوں کے لیے مقرر ہے، سنت ثابتہ، اجماع اُمت اور عقل عام کے بھی خلاف ہے۔

اب ہم اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کریں گے:

جرم زنا کی شناعت:

ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے صالح خاندان کا وجود ناگزیر ہے اور ایک صالح

خاندان وجود میں آ نہیں سکتا اگر مرد اور عورت کے تعلق کی بنیاد نکاح پر نہ ہو۔ معاہدۂ نکاح ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی رو سے ایک صالح خاندان وجود میں آتا ہے۔ اسی سے زوجین کے درمیان حقوق وفرائض کی عادلانہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسی کے تحت اولاد اور والدین کا باہمی تعلق اور صحیح خون ونسب کا پاکیزہ رحمی رشتہ قرار پاتا ہے۔ پھر یہی رحمی رشتہ انسان کے صالح جذبات واحساسات کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے جائز تعلق کی بجائے زنا کا ناجائز تعلق قائم ہو تو اس چیز کے نتیجے میں نہ تو کوئی صالح خاندان وجود میں آ سکتا ہے اور نہ اس کی بنیاد پر کسی صالح معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے بلکہ ایسے معاشرے کو انسانی معاشرہ کہنے کی بجائے جانوروں کا ایک گلہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اسلام نے زنا کو کبائر گناہوں میں شمار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے جہاں شرک اور قتلِ ناحق کا تذکرہ کیا ہے وہاں زنا کو بھی ان کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد تینوں گناہوں کا یکساں انجام بیان فرمایا ہے۔ جس سے زنا کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ ﴾

(الفرقان:28:29)

''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا اور قیامت کے روز اسے کئی گنا عذاب ہوگا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا۔''

اسی سلسلے میں ایک حدیثِ صحیح ملاحظہ ہو:

((عن عبدالله (بن مسعود) قال سئلت النبی ﷺ أی الذنب اعظم عند الله. قال ان تجعل لله ندًّا وهو خلقك، قلت ان ذٰلك لعظيم. قلت ثم ای؟ قال وان تقتل ولدك تخاف ان يطعم معك. قلت ثم ای، قال ان تزانی حليلة جارِك.))

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6، صفحہ 22، طبع مصر 1345ھ)

''حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تیرا خالق تو اللہ ہی ہے۔ میں نے پھر کہا یہ تو سنگین جرم ہے۔ میں نے پھر پوچھا ''اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟'' فرمایا: ''کسی شخص کا اپنے بیٹے کو اس اندیشے سے قتل کر دینا کہ وہ اس کے کھانے میں حصہ دار نہ بن جائے۔'' میں نے تیسری بار پوچھا کہ: ''اس کے بعد کون سا بڑا گناہ ہے؟ فرمایا: ''کسی شخص کا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔''

اس حدیث نے مذکورہ بالا قرآنی آیت کی گویا تفسیر کر دی ہے۔

زنا مجموعۂ جرائم ہے:

زنا کوئی مفرد جرم نہیں بلکہ مجموعۂ جرائم ہے اور ایک زانی بیک وقت حسب ذیل جرائم کا مرتکب ہوتا ہے:

1۔ قرآن نے مرد اور عورت کو غضِ بصر کا حکم دیا ہے اور ارتکابِ زنا اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے۔

2۔ اسلام نے عورت کو غیر محرم مرد سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک زانیہ عورت اسلام کے اس حکم کی پروا نہیں کرتی۔

3۔ دینِ اسلام میں حیا کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((الحياء من الايمان.)) یعنی ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' زنا کا مجرم حیاداری کے

بنیادی تقاضوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔

4۔ اسلام نے مرد اور عورت کے مابین آزادانہ میل جول اور بے تکلفانہ گفتگو کو ناپسند کیا ہے۔ زنا کا مرتکب اسلام کے اس ضابطے کو توڑ دیتا ہے۔

5۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ: "لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" یعنی "زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فعلِ زنا کے تمام محرکات ودواعی سے بھی اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زنا کا مجرم قرآن کے اس حکم کی صریحاً خلاف ورزی کرتا ہے۔

6۔ اسلام نے غیر محرم مرد اور عورت کو باہمی ملامست یعنی ایک دوسرے کو چھونے سے منع کیا ہے۔ اسلام کا یہ ضابطہ ایک زانی کے ہاتھوں ٹوٹ جاتا ہے۔

7۔ اسلام نے مرد اور عورت کو اپنے اپنے ستر ڈھانکنے کا حکم دیا ہے اور سوائے شوہر اور بیوی کی مخصوص حالت کے، کسی اور کے سامنے ستر کھولنے سے منع کیا ہے۔ زنا کے جرم میں اسلام کے اس حکم کی خلاف ورزی موجود ہوتی ہے۔

8۔ قرآن نے طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبائث یعنی ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک نکاح ایک حلال اور طیب چیز ہے اور زنا کو اس نے حرام اور بے حیائی کا کام بتایا ہے۔ زنا کا مرتکب شخص قرآن کے اس ضابطۂ حلت وحرمت کو توڑ دیتا ہے۔

9۔ اسلام نے وراثت کے احکام محض قرابت داری کی بنیاد پر دیئے ہیں۔ اولاد اپنے والدین کے ترکے کی جائز وارث ہوتی ہے۔ مگر زنا کے نتیجے میں پیدا شدہ ناجائز اولاد اپنے نام نہاد "باپ" کی جائداد اور وراثت سے بلاقصور محروم ہو جاتی ہے اور اس محرومی کی تمام تر ذمہ داری "زانی باپ" پر عائد ہو جاتی ہے۔

10۔ قرآن نے عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں ٹک کر رہے اور کسی خاص ضرورت کے سوا گھر سے باہر نہ نکلے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے عورت کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ "تبرج" یعنی بن ٹھن کر پھرنے سے اجتناب کرے۔ ایک زانیہ عورت بالعموم قرآن

کے ان احکامات کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ وہ ایسی جگہ زنا کی مرتکب ہوتی ہے جہاں اسے ایک چھوڑ چار آدمی بھی بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال اس کے گھر میں تقریباً ناممکن ہے۔

11۔ قرآن مجید نے اشاعتِ فاحشہ یعنی بے حیائی پھیلانے والوں کو دنیا اور آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے اور اس حرکت کو سخت ناپسند کیا ہے۔ زنا کا مرتکب اشاعتِ فاحشہ کا مجرم بھی ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ابتداء ہی میں کئی آدمیوں تک بے حیائی کے برے اثرات پہنچتے ہیں۔ جو بعد میں وبا کی طرح پورے معاشرے میں پھیل جاتے ہیں۔

12۔ زنا کے نتیجے میں بعض اوقات خودکشی کے واقعات جنم لیتے ہیں۔ فریقین کے متعلقین میں اشتعال پیدا ہوتا ہے جس کا انجام اتلافِ جان و مال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر فتنہ و فساد اور انتقام کی وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔

شادی شدہ آدمی کا جرم زنا:

شادی شدہ زانی کا معاملہ اس سے بھی بدرجہا زیادہ قبیح ہے۔ اس میں علاوہ ان تمام برائیوں کے جو اُوپر مذکور ہوئیں، مزید یہ برائیاں مضمر ہوتی ہیں۔

1۔ قرآن مجید کی رو سے ایک شخص کی منکوحہ بیوی کے لیے کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام ہے، اس کے بعد زنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ٹھہرا۔ ایک زانیہ عورت قرآن حکیم کی قائم کردہ اس حرمت کو پامال کرتی ہے۔

2۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک شوہر کے لیے اس کی بیوی بمنزلہ حرث یعنی کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے جس سے اولاد کی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ مگر ایک زانیہ بیوی کھیتی کی اپنی اس حیثیت کو بدل کر ایک کھلی چراگاہ میں تبدیل کر لیتی ہے جس کے بعد صحیح اولاد کی پیدا آوری ممکن نہیں رہتی اور عورت کا مقصدِ تخلیق پورا نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک شادی شدہ زانیہ عورت اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت اور حیثیت بدلنے کی مرتکب ہوتی ہے۔

3۔ قرآن کی رو سے نکاح ایک معاہدہ ہے جو مرد اور عورت کے مابین ہوتا ہے۔ اسی معاہدے کی رو سے وہ میاں بیوی ہوتے ہیں۔قرآن اس معاہدے کو"میثاق غلیظ"یعنی پختہ معاہدہ قرار دیتا ہے۔ اسی معاہدے کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کی عفت وعصمت کے محافظ اور امین ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کسی فریق کی طرف سے معاہدے کی اس حیثیت کو ختم کرنا قرآن حکیم کی صریحًا خلاف ورزی ہے۔

4۔ نکاح کے بعد ایک میاں اور ایک بیوی کو اپنی اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا ایک جائزہ ذریعہ میسر آجاتا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک فریق دوسرے کے لیے جنسی طور پر تسکین کا باعث نہیں بنتا تو دوسرا فریق اس سے علیحدگی حاصل کرسکتا ہے اور مرد کو اسلام نے ایک سے چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کسی مرد یا عورت کو اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کا ایک جائز ذریعہ حاصل ہے تو یہ اس رب العالمین کی کھلی نافرمانی کے سوا اور کیا ہے جس نے نکاح کو حلال اور زنا کو حرام ٹھہرایا ہے؟

5۔ اس دنیا میں سب سے بڑی بے وفائی کسی بندے کا اپنے خدا سے بے وفائی کرنا ہے اس کے بعد دوسرے درجے پر وہ بے وفائی ہے جو ایک بیوی اپنے خاوند سے کرتی ہے۔ قدیم صحیفوں میں مشرک آدمی کو اس زانیہ عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی کی بیوی ہو۔ توریت میں کئی جگہ یہ مضمون آیا ہے کہ تمہارا خداوند خدا بڑا غیور ہے۔ جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرتے کہ تمہاری بیوی کسی اور کے بستر پر سوئے اسی طرح وہ بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بندہ غیر کی بندگی کرے۔

قرآن مجید نے بھی سورۂ نور میں شرک اور زنا کو ایک ساتھ بیان کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں برے کاموں میں ایک گہری مناسبت ہے۔ مشرک اپنے رب کا اقرار کرتا ہے، اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود غیر کی اطاعت کرتا ہے۔ یہی حال ایک زانیہ بیوی کا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک شوہر کی زوجیت میں دیتی اور

اسے اپنی عصمت و ناموس کا مالک بناتی ہے۔ نان ونفقہ اور دیگر تمام حقوق اسی سے حاصل کرتی ہے۔ اور پھر اس کے حقِ زوجیت میں غیر مرد کو شریک کر کے اپنے شوہر سے خیانت کی اور بے وفائی کی مُرتکب ہوتی ہے۔ ایک مشرک کی اللہ سے بے وفائی اور خیانت کی مثال اگر اس دنیا میں کوئی اور ہوسکتی ہے تو وہ کسی زانیہ بیوی کی وہ بے وفائی اور خیانت ہے جو وہ اپنے شوہر سے روا رکھتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زنا ایک ایسا جرم عظیم ہے جس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لڑائی جھگڑے اور قتل وفساد تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ لوگوں کا امن وسکون غارت ہوتا ہے اور فتنہ وفساد پھیلتا ہے۔ اس کے سبب سے معاشرے میں جنسی بے راہروی اور انارکی پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کا اخلاق جانوروں کی سطح تک گر جاتا ہے۔

قرآن میں جرم زنا کی سزا:

قرآن حکیم نے زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے آغاز میں یہ سزا بیان کی تھی کہ اگر چار گواہ اس امر کی شہادت دے دیں کہ انہوں نے کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے تو ان دونوں کو زدوکوب کیا جائے اور زانیہ عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ ﴾

[النساء:15:16]

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے میں سے

چار آدمیوں کی گواہی طلب کرو۔ اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا کسی موقع پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکال دے، اور اگر تم میں سے مرد اسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان کو ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ اور اصلاح کرلیں تو ان کو چھوڑ دو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

جرم زنا کی مذکورہ بالا سزا قرآن مجید کا ایک ابتدائی اور عارضی نوعیت کا حکم تھا جس کی طرف "اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا" (ان کے لیے اللہ کوئی راستہ نکال دے گا) کے الفاظ اشارہ کررہے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ نور کی آیت 2 میں اس سلسلے کا مستقل حکم نازل ہوا:

﴿ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ﴾

(النور: 2)

"زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے قانون کے معاملے میں قطعاً کوئی نرمی اختیار نہ کرو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ضروری ہے کہ ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔"

اس آیت کے نزول کے بعد سورۂ نساء کے مذکورہ بالا احکام منسوخ ہوگئے۔ اب آئندہ کے لیے جرم زنا کی سزا سو کوڑے مقرر ہوگئی۔

مگر آیت جلد کا یہ حکم درحقیقت کوئی حکم عام نہ تھا کہ اس میں ہر قسم کا مرتکب زنا شامل ہو، کیونکہ قرآن حکیم نے زانیہ لونڈیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) پر اس حکم کا اطلاق نہیں کیا، بلکہ ان کی تخصیص کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ﴾

(النساء:25)

''جب وہ لونڈیاں قید نکاح میں آ جائیں اور پھر اگر وہ کوئی بدکاری کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو'' محصنات '' (آزاد عورتوں) کے لیے مقرر ہے۔''

واضح رہے کہ یہاں پر ''العذاب'' کی جو سزا بیان ہوئی ہے یہ وہی سزا ہے۔ جسے آیت جلد میں عَذَابَهُمَا کہا گیا ہے، اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔

اس طرح قرآن مجید نے قید نکاح میں آئی ہوئی لونڈیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) کے لیے ارتکابِ زنا کی صورت میں نصف سزا یعنی پچاس کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن حکیم نے زنا کے آزاد اور غلام مجرموں کی دو قسمیں کر دی ہیں اور دونوں کے لیے الگ الگ سزا معین فرمائی ہے۔ آزاد زانی اور زانیہ جن کے لیے آیتِ جلد کی رو سے سو سو کوڑوں کی سزا ہے اور لونڈیاں (اور غلام) جن کے جرم زنا پر ان کو پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

قرآن کی اس تخصیص سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ آیت جلد کا حکم صرف ''محصنات'' کے ساتھ خاص ہے اور غلاموں اور لونڈیاں پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ گویا وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اب یہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ الفاظ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ میں مُحۡصَنٰتِ سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اسی لفظ کے مفہوم سے آیت جلد کے حکم کی گرہ کھلے گی اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سو کوڑوں کی سزا کا حکم کس قسم کے افراد کے لیے آیا ہے۔ علم تفسیر کا ایک مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ:

((القران يفسر بعضه بعضا.))

''قرآن مجید کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر بیان کرتا ہے۔''

''مُحْصَنَاتِ '' کا مفہوم:

''مُحْصَنَاتِ '' کا لفظ احصان سے بنا ہے جس کے معنی ہیں: ''روک یا قید میں آ جانا'' ''قلعہ بند ہونا'' اور ''محفوظ ہو جانا۔'' اس طرح مُحْصَنَاتِ کے لغوی معنی ''اخلاقی طور پر قلعہ بند یا محفوظ عورتوں'' کے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ ''مُحْصَنَاتِ ''. درج ذیل تین معنوں میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے تینوں معنوں کی تفصیل یہ ہے:

1۔ شادی شدہ عورتیں

2۔ آزاد عورتیں

3۔ پاک دامن اور پاکباز عورتیں

گویا قرآن مجید کی رُو سے:

ا: وہ لونڈیاں بھی محصنات ہیں جو کسی کی قید نکاح میں آ جائیں۔ کیونکہ اس طرح ان کو اپنے شوہروں کی حفاظت وحمایت حاصل ہو جاتی ہے۔ سورہ نساء کی آیت 25 کے الفاظ ﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ ﴾ اور ﴿ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ ﴾ سے یہی لونڈیاں مراد ہیں۔

ب: شادی شدہ عورتیں محصنات ہیں کیونکہ ان کو اپنے شوہروں اور اپنے خاندانوں کی دوہری حفاظت وحمایت میسر ہوتی ہے اس معنی میں یہ لفظ سورہ نساء کی آیت نمبر 24، جہاں محرمات نکاح کا تذکرہ ہوا ہے، کے الفاظ '' وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ '' (اور شادی شدہ عورتیں) میں '' المحصنات '' سے یہی شادی شدہ عورتیں مراد ہیں۔

ج: آزاد عورتیں بھی '' محصنات '' کہلاتی ہیں کیونکہ انہیں بھی اپنے خاندانوں کی حمایت و حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ سورہ نساء کی آیت 25 کے آغاز میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ ﴾

''اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔''

اس مقام پر المحصنات سے یہی آزاد عورتیں مراد ہیں۔

د: پاک دامن اور پاکباز عورتیں بھی '' محصنات '' ہیں کیونکہ وہ ''اخلاقی'' طور پر ''قلعہ بند'' اور ''بدکاری سے محفوظ'' ہوتی ہیں۔ سورہ النور کی آیت 4 کے الفاظ۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں۔''

میں '' المحصنات '' کا لفظ انہی پاکدامن اور پاکباز عورتوں کے لیے آیا ہے۔ لفظ محصنات کے معانی کی اس تفصیل کے بعد اب درج ذیل آیت پر غور کریں:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ﴾

(النساء:25)

''اور تم میں سے جو شخص مومنہ '' محصنات '' یعنی آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ ان مومنہ کنیزوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، نکاح کرے۔ اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم سب ایک ہی جنس ہو۔ ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ ان کنیزوں سے نکاح کرلو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ان کو ادا کردو۔ وہ قید نکاح میں آنے والی ہوں، بدکاری اور آشنائی کرنے والی نہ ہوں۔ پھر اگر وہ قید نکاح میں آجانے کے بعد بدکاری

کا ارتکاب کریں تو جو سزا "محصنات" کے لیے مقرر ہے، اس کی نصف سزا ان پر ہوگی۔"

اس ایک آیت میں لفظ "محصنات" تین مرتبہ آیا ہے۔ پہلی مرتبہ: ﴿ اَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ ﴾ میں جس سے آزاد عورتیں، مراد ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ اس جگہ یہ لفظ فتیات یعنی لونڈیوں کے مقابل میں آیا ہے جس کی وجہ سے یہاں صرف آزاد عورتیں ہی مراد لی جاسکتی ہیں۔

دوسری مرتبہ لفظ "محصنات" آیت کے اس ٹکڑے ﴿ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ ان لونڈیوں کی جن سے نکاح کی اجازت ہے، یہ کیفیت وحالت بیان کرتا ہے کہ وہ "قید نکاح میں آنے والی ہوں، بدکاری کرنے والی ہوں۔" اس کے بعد فَاِذَآ اُحْصِنَّ میں بھی انہی لونڈیوں کے نکاح کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے شوہروں کی حفاظت وحمایت حاصل کر کے داخل احصان یعنی محصنات ہو جائیں گی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں جب بے شوہر تھیں تو وہ "محصنات" نہیں تھیں قید نکاح میں آجانے کے بعد "محصنات" یعنی شوہر والیاں اور شادی شدہ ہوگئیں۔

تیسری مرتبہ یہ لفظ "محصنات" اس آیت کے فقرے ﴿ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ میں وارد ہوا ہے۔ اس جگہ اس لفظ سے وہی "محصنات" مراد ہیں جو ابتدائے آیت میں مذکور ہوئی ہیں یعنی "آزاد عورتیں" اس مقام پر یہی معنی مراد لینے کے حق میں درج ذیل دلائل ہیں:

1۔ آیت مذکورہ کے آغاز سے فتیات یعنی لونڈیوں اور محصنات یعنی آزاد عورتوں کے جانبین کا بیان تقابلی انداز میں ہوا ہے اس سلسلۂ کلام میں ایک جانب فتیات کی حالت میں یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ وہ کسی کی قید نکاح میں آنے کی جانب کے اعتبار سے ﴿ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ ﴾ کے تحت محصنات ہوگئی ہیں اور پھر ان کی اس حالت کو ﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ ﴾ (جب وہ محصنات ہو جائیں) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ

دوسری جانب ...... محصنات یعنی آزاد عورتوں کی کیفیت میں قطعاً کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آخر میں انہی جانبین کا تقابل سزا کے لحاظ سے بایں الفاظ بیان ہوا ہے کہ:

﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ط ﴾

''پھر اگر وہ لونڈیاں قید نکاح میں آ جانے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو جو سزا ''محصنات'' کے لیے مقرر ہے، اس کی نصف سزا ان پر ہوگی۔''

اس طرح شادی شدہ لونڈیوں کے لیے ارتکاب زنا پر اس سزا کا نصف بتایا ہے جو آزاد عورتوں کے مرتکب زنا ہونے پر قرآن نے مقرر کی ہے۔ یعنی شادی شدہ زانیہ لونڈیوں کے لیے پچاس کوڑے اور آزاد زانیہ عورتوں کے لیے سو کوڑے۔

آیت کا یہ سیاقِ کلام ہی وہ واضح قرینہ ہے جو اس مقام پر لفظ '' محصنات '' کے معنی کو ''آزاد عورتوں'' کے ساتھ متعین کر دیتا ہے۔ گویا لونڈیوں کے مقابل میں جب لفظ محصنات آتا ہے تو اس سے صرف آزاد عورتیں مراد ہوتی ہیں اور اس مقام پر وہی مراد ہیں۔ خود اسی آیت کے آغاز میں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ط ﴾

(النساء:25)

''اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ہو ان مومنہ لونڈیوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، نکاح کر لے۔''

اس جگہ '' محصنات '' کا لفظ لونڈیوں کے مقابل میں بھی آیا ہے اور اس سے صرف ''آزاد عورتیں'' ہی مراد ہو سکتی ہیں۔

2۔ حالتِ احصان کے پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہے کہ ایک لونڈی غیر محصنہ ہوتی ہے

اور کسی کی قید نکاح کے آنے کے بعد ہی وہ محصنہ ہو سکتی ہے۔اگر چہ نکاح کے بعد بھی وہ حالت احصان کے اعتبار سے کامل طور پر محصنہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایک شوہر کی حفاظت حمایت میں آ جانے کے باوجود وہ ان لوگوں کی بندگی سے آزاد نہیں ہوتی جن کی وہ ملکیت ہے اور نہ ہی معاشرت میں اسے وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو ایک آزاد عورت کو میسر ہوتا ہے۔

اس کے علی الرغم ایک آزاد عورت پہلے ہی سے محصنہ ہوتی ہے۔خواہ وہ غیر شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حریت کی بنا پر اسے ایک خاندان کی حفاظت و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مجرد حرہ ہونا ہی اس کے محصنہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کے محصنہ کہلانے کے لیے اس کا کسی کی منکوحہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے اس زیرِ بحث مقام پر (محصنات) سے آزاد عورتیں ہی مراد ہیں۔

عقل و حکمت اور عدل و انصاف کی رُو سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جرمِ زنا کی سزا کے بارے میں اسلام کا منشا کیا ہے؟ اسلامی شریعت نے ایک ایسے شخص کے ارتکابِ زنا میں کہ جس کو اپنی فطری جنسی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز ذریعہ حاصل نہیں ہوسکا...... اور ایک ایسے شخص کے ارتکابِ زنا میں کہ جس کو اس کی فطری صنفی خواہش پوری کرنے کا ایک جائز ذریعہ میسر آچکا ہے...... بہر حال فرق کیا ہے اور دونوں کی حالتوں کے اختلاف کی بنا پر ان کے لیے الگ الگ سزائیں مقرر کی ہیں۔

فرض کیجیے دو عورتیں مرتکب زنا ہوتی ہیں۔ ایک کنواری اور دوسری شادی شدہ عورت ہے۔ پہلی عورت اپنی جنسی خواہش کے ہیجان میں تسکین کا کوئی جائز راستہ نہیں پاتی اور زنا کا ارتکاب کرتی ہے۔ دوسری عورت ایک شوہر کی بیوی ہے۔ اگر اس کا شوہر اس کے لیے وجہ تسکین نہیں بنتا تو وہ عورت اس سے خلع کر کے کسی اور مرد سے نکاح بھی کر سکتی ہے۔ مگر ایک خاوند کی بیوی ہوتے ہوئے وہ مرتکب زنا ہوتی ہے۔ اس کا یہ فعل اس کے شوہر کی حق تلفی، اس سے بدترین خیانت اور پرلے درجے کی بے وفائی ہے۔ اس نے اپنے خاوند سے باندھے

ہوئے اس معاہدے کا سرِ عنوان مٹا ڈالا ہے جس معاہدے کو قرآن مجید نے ''میثاقِ غلیظ'' یعنی پختہ معاہدے سے تعبیر کیا ہے۔ کیا ان دونوں عورتوں کا مقدمہ ایک جیسا ہے؟ نہیں! ہماری عقل ان کو دو مختلف مقدمے قرار دیتی ہے کیا ان دونوں عورتوں کا جرمِ زنا ایک ہی درجے کا ہے؟ نہیں! ہماری بصیرت کہتی ہے کہ دونوں کا جرم یکساں درجے کا نہیں ہے بلکہ متفاوت درجوں کا ہے۔ پھر اگر ایسا ہے تو کیا، ان دونوں کو ایک جیسی سزا ملنی چاہیے؟ ہرگز نہیں! عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ کنواری عورتوں کا جرم نسبتاً کم ہے اور شادی شدہ عورت کا نسبتاً زیادہ، لہٰذا سزا میں بھی یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیا ایک فطری اور عقلی شریعت کے لیے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ پہلی مجرمہ کو نسبتاً کم اور دوسری مجرمہ کو نسبتاً زیادہ سزا دے؟

اسی حکمت کے پیشِ نظر اسلامی قانون میں غیر محصن زانی اور غیر محصنہ زانیہ کے لیے تو سو سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے مگر محصن زانی اور محصنہ زانیہ کے لیے رجم کی حد رکھی گئی ہے۔ دو مختلف صورتوں کو یکساں حیثیت دے کر ان کے لیے ایک ہی سزا تجویز کرنا کسی طور پر بھی عقل و حکمت اور عدل وانصاف کے قرینِ قیاس نہیں ہے اور جو لوگ شریعت کے تمام تر احکامات کو عقل و حکمت ہی پر مبنی قرار دیتے ہیں ان کے لیے تو اس سے انکار کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

الغرض مذکورہ بالا قرائن وشواہد کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زیر بحث مقام ﴿ **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** ﴾ پر محصنات سے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں اور سورۂ نور کی آیت جلد کا حکم صرف غیر محصن زانیوں ہی کے ساتھ خاص ہے اور امت کے تمام مفسرین کرام کا اسی امر پر اجماع ہے۔

﴿ مُحْصَنَات ﴾ کے مفہوم کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء:

اب ہم زیر بحث مقام ﴿ **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** ﴾ میں لفظ محصنات کے معنی کے بارے میں امت کے اکابر مفسرین کی آراء پیش کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری (ابن جریر طبریؒ، متوفی 310ھ)

((فعلیهن نصف ماعلی الحرائر من الحدّ اذا هن زنین قبل الاحصان بالا زواج.))

''یعنی پھر ایسی لونڈیوں پر ان آزاد عورتوں کا حد کا نصف ہے۔ جو شادی سے پہلے زنا کا ارتکاب کریں۔''

2۔ احکام القرآن۔ (ابوبکر الجصاص، م 375ھ)

((اراد الاحصان من جهة الحرية لا الاحصان الموجب الرجم، لانه لو اراد ذالك لم يصح ان يقال عليها نصف الرجم لانه لا يتبعض.))

''اس جگہ احصان باعتبار حریت مراد ہے اور وہ احصان مراد نہیں جس پر رجم کی حد واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دوسرے معنی مراد ہوتے تو پھر رجم کا نصف کہنا صحیح نہ ہوتا کیونکہ رجم کی سزا ناقابلِ تقسیم ہے۔''

3۔ احکام القرآن (ابن العربی، م 542ھ)

((يكون التقدير فاذا تزوجن فعليهن نصف ماعلى الابكار من العذاب وهو الجلد.))

''تقدیر کلام یوں ہے کہ جب وہ لونڈیوں قیدِ نکاح میں آ جائیں اور زنا کی مرتکب ہوں تو ان کے لیے آزاد کنواریوں کی اس سزا کا نصف ہے جو (سو) کوڑوں کی ہے۔''

4۔ مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی، م 606ھ)

((اما ان يكون المراد منه الحرائر المتزوجات او المراد منه الحرائر الابكار، والسبب في اطلاق اسم المحصنات عليهن بحريتهن و الاول مشكل لان الواجب على الحرائر المتزوجات

فی الزنا الرجم فھذا یقتضی أن یجب فی زنا الاماء نصف الرجم ومعلوم أن ذٰلک باطل والثانی وھو أن یکون المراد الحرائر الابکار فنصف ماعلیھن ھو خمسون جلدة ومحصنة ھٰذا القدر واجب فی زنا الأمة سواء کانت محصنة اولم یکن.))

''اس مقام پر محصنات سے یا تو شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہوسکتی ہیں یا کنواری آزاد عورتیں۔ اس کا سبب ہے، کہ ان دونوں قسم کی عورتوں پر ان کی حریت کی وجہ سے لفظ محصنات کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ پہلی صورت محال ہے کیونکہ شادی شدہ عورتوں کا ارتکاب زنا کی حد رجم ہے اور اس صورت میں یہ امر مقتضی ہے کہ لونڈیوں کو زنا کے ارتکاب پر نصف رجم کی سزا دی جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بے معنی بات ہے۔ دوسرے صورت میں محصنات کے معنی کنواری آزاد عورتوں کے ہوسکتے ہیں جس کے بعد زانیہ لونڈیوں کے لیے نصف سزا یعنی پچاس کوڑے ہوں گے اور یہ حد ہر زانیہ لونڈی کے لیے ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو۔''

5۔ الجامع الاحکام القرآن (امام قرطبی، م571ھ)

((ویعنی المحصنات ھاھنا الا بکار الحرائر.))

''اس جگہ محصنات کے معنی ہیں: ''کنواری آزاد عورتیں۔''

6۔ تفسیر مدارک (علامہ حافظ الدین نسفی، م710ھ)

((وان المحصنات ھنا الحرائر اللاتی لم یزوجن.))

''اس مقام پر محصنات سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جو غیر شادی شدہ ہوں۔''

7۔ تفسیر خازن (علامہ علاؤالدین بغدادی، م725ھ)

((یعنی فعلی الا ماء اللاتی زنین نصف ماعلی الحرائر الا بکار اذا زنین من الجلد.))

''یعنی زانیہ لونڈیوں پر اس سزا کا نصف ہے جو کنواری آزاد عورتوں کے لیے ان کے ارتکاب زنا پر کوڑوں کی صورت میں ہے۔

8۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن (شیخ محمد بن عبدالرحمٰن الشافعیؒ، م 894ھ)

((**المحصنات :الحرائر الابکار.**))

''محصنات سے مراد ہیں: ''کنواری آزاد عورتیں''

9۔ تفسیر جلالین (علامہ جلال الدین سیوطیؒ، م 911ھ وجلال الدین محلیؒ)

((**المحصنات: الحرائر الابکار اذا زنین.**))

''محصنات یعنی کنواری آزاد عورتیں جب زنا کی مرتکب ہوں۔''

10۔ تفسیراتِ احمدیہ (ملا احمد جیون۔ سن تالیف 1075ھ)

((**والمراد من هٰذه المحصنات الحرائر بلا تزويج.**))

''اس جگہ ''محصنات'' سے مراد وہ آزاد عورتیں ہیں جو غیر شادی شدہ ہوں۔''

11۔ فتح القدیر (امام شوکانی، م 1255ھ)

((**المحصنات :أي الحرائر الابکار.**))

''محصنات یعنی کنواری آزاد عورتیں۔''

یہاں ہم نے صرف دس گیارہ قابلِ اعتماد مفسرین کی آراء درج کی ہیں اور طوالت سے بچنے کے لیے انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امت کے تمام تر مفسرین کی اس بارے میں متفقہ رائے یہی ہے کہ زیرِ بحث مقام پر '' **محصنات** '' سے صرف ''آزاد عورتیں'' ہی مراد ہیں۔

آیتِ جلد کا حکم:

لفظ '' **محصنات** '' کے مفہوم کی بحث اور اس بارے مفسرین کرام کی متفقہ رائے بیان کرنے کے بعد ہم سورۂ نور کی آیت جلد پر ازسرِ نو غور کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا

حکم کس قسم کے مرتکبین زنا کے لیے آیا ہے۔

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

(النور:2)

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے قانون کے معاملے میں قطعاً کوئی نرمی اختیار نہ کرو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ضروری ہے کہ ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔''

آغاز بحث میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ آیت جلد کا یہ حکم صرف آزاد مرد اور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے لونڈیاں (اور غلام) اس حکم میں داخل نہیں۔ اس امر کی تصریح خود قرآن حکیم نے فرما دی ہے۔

﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط ﴾

(النساء:25)

''جب وہ لونڈیاں قید نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ کوئی بدکاری کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو ''محصنات'' کے لیے مقرر ہے۔''

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آیت جلد کا حکم درحقیقت حکم عام نہیں ہے اور آیت جلد کے الفاظ ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ'' میں لام تعریف تعمیم کے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے آیا ہے کیونکہ اس سے ہر قسم کے زانی لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ لونڈیاں (اور غلاموں) کے ارتکاب زنا پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان کی تخصیص خود قرآن نے کردی ہے۔ یوں آیت جلد کے حکم کو حکم عام سمجھ لینا قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اس لیے غامدی صاحب کا یہ

مواقف قرآن کے خلاف ہے کہ سورۂ نور آیت 2 کا حکم عام ہے۔

آیت جلد اور مفسرین کرام:

اب ہم آیت جلد کے حکم کے بارے میں امت مسلمہ کے معتمد علیہ مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

1۔ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ (ابن عباسؓ متوفی 68ھ)

((﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾ وهما بكران زنيا.))

''یعنی'' اَلزَّانِيَةُ والزَّانِيْ '' میں دونوں کنوارے قسم کے لوگ مراد ہیں جو زنا کے مرتکب ہوں۔''

2۔ تفسیر طبری (ابن جریر طبری، م310ھ)

((يقول تعالىٰ ذكره: من زنى من الرجال، اوزنت من النساء، وهو حد بكر غير محصن بزوج فاجلدوه ضربا مائة جلدة.))

''اللہ تعالیٰ نے یہاں پر جن زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس میں جس حد کا حکم ہے وہ صرف غیر محصن کنوارے اور غیر محصنہ کنواری کے لیے ہے۔ پس ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔''

3۔ تفسیر الکشاف (جار اللہ زمخشری، م528ھ)

((وهو حكم من ليس بمحصن منهم، فان المحصن حكمه الرجم.))

''اس آیت کا حکم صرف کنوارے اور کنواری کے ارتکاب زنا کے لیے ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم کا حکم ہے۔''

4۔ احکام القرآن (ابن العربی، م542ھ)

((قوله: ﴿ فَاجْلِدُوْا ﴾ جعل الله كما تقدم حد الزنا قسمين

رجمًا على الثيب وجلد على البكر وذٰلك لان قوله: ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ﴾ عام فى كل زان ثم شرحت السنة حال الثيب.))

''جیسا کہ پہلے گزر چکا، اللہ تعالیٰ نے حدِ زنا کی دو قسمیں کردی ہیں۔ شادی شدہ کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ فرمایا ''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں کو کوڑے مارو۔'' تو یہ حکم ہر قسم کے زانی کے لیے عام تھا۔ پھر سنت نے شادی شدہ کی الگ صورت واضح کی۔''

5۔ مفاتیح الغیب۔ تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی، م606ھ)

((احتج الجمهور من المجتهدين على وجوب رجم المحصن لما ثبت بالتواتر انه عليه الصلاة والسلام فعل ذالك، قال ابوبكر الرازى روى الرجم ابوبكرؓ و عمرؓ وعلیؓ وجابر بن عبدالله وابو سعيد خدرى وابو هريرة وبريدة الاسلمى وزيد بن خالد فى اٰخرين من الصحابة وبعض هٰؤلآء الرواة روى خبر رجم ماعز بعضهم خبر اللخمية والغامدية وقال عمرؓ: '' لو لا ان يقول الناس زاد عمر فى كتاب الله لا ثبته فى المصحف، والجواب. عما احتجوا به اولا انه مخصوص بالجلد فان قيل فيلزم تخصيص القرآن بخبر الواحد قلنا بل بالخبر المتواتر لما بينا ان الرجم منقول بالتواتر ايضًا فقد بينا فى اصول الفقه ان تخصيص القرآن بخبر الواحد جائز.))

''جمہور مجتہدین کے نزدیک زانی محصن کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عمل سے متواتر کے ساتھ یہی ثابت ہے۔ ابوبکر رازیؒ نے کہا ہے کہ رجم کی احادیث کو ابوبکر، عمر، علی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری،

ابو ہریرہ، بُرَیدَہ اسلمی اور زید بن خالد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے پھر ان میں سے بعض راویوں نے وہ احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت ماعز، لخمیہ اور غامدیہ دونوں عورتوں کے رجم ہونے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر مجھے لوگوں کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں کہ'' عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کیا'' تو میں اس (حکم) کو قرآن میں لکھوا دیتا۔

جن لوگوں نے اس آیت کے تحت یہ کہا ہے کہ اس میں صرف کوڑوں کی سزا مذکور ہوئی ہے اگر رجم کو مانا جائے تو پھر خبر واحد سے قرآن کے حکم کی تخصیص ماننی پڑتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رجم کی روایات متواتر ہیں۔ اس کے علاوہ اصول فقہ میں بھی ہم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ خبر واحد سے بھی قرآن کے حکم عام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔''

6۔ الجامع الاحکام القرآن۔ تفسیر قرطبی (امام قرطبی، م 671ھ)

((﴿ مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ هذا حد الزانی الحر البالغ البکر و کذلك الزانیة البکر الحرة ..... واما المحصن من الاحرار فعلیه الرجم دون الجلد.))

''اس آیت میں آزاد، بالغ، کنوارے زانی کے لیے حد بیان کی گئی ہے اور اس طرح آزاد بالغہ کنواری زانیہ عورت کے لیے بھی یہی حد ہے۔ رہے آزاد محصن زانی اور محصنہ زانیہ، تو ان کے لیے رجم کی حد ہے، کوڑوں کی حد نہیں ہے۔''

7۔ تفسیر مدارک (علامہ نسفی، م 686ھ)

((وهذا حکم حر لیس بمحصن، اذا حکم المحصن الرجم.))

''یہ حکم اس آزاد زانی اور زانیہ کے لیے ہے جو غیر محصن یعنی کنوارے ہوں جبکہ محصن کے لیے رجم کا حکم ہے۔''

8۔ تفسیر خازن (علاؤ الدین بغدادی، م 725ھ)

((وان كان الزانی محصناً فعليه الرجم.))

''اور اگر زانی شادی شدہ ہو تو اس کے لیے رجم کی سزا ہے۔''

9۔ تفسیر القرآن العظیم المعروف تفسیر ابن کثیر (حافظ ابن کثیرؒ، م 774ھ)

((فاما اذا كان بكر الم يتزوج فان حده مائة جلدة كما فی الاية ..... فاما اذا كان محصناً وهو الذی قد وطی فی نكاح صحيح وهو بالغ عاقل فانه يرجم.))

''جب کوئی غیر شادی شدہ کنوارا مرتکب زنا ہو تو آیت کے بموجب اس کی سزا سو کوڑے ہیں مگر جب کوئی شادی شدہ جس نے نکاح صحیح کے بعد مباشرت بھی کی ہو، مرتکب زنا ہوا اور وہ عاقل بالغ بھی ہو، تو اسے رجم کیا جائے گا۔''

10۔ انوار التنزیل۔ تفسیر بیضاوی (قاضی بیضاوی، م 791ھ)

((وهو حكم يختص بمن ليس بمحصن لما دل علی ان حدا لمحصن هو الرجم.))

''اس آیت کا حکم اس زانی کے ساتھ خاص ہے جو شادی شدہ نہ ہو جبکہ یہ ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے۔''

11۔ جامع القرآن فی تفسیر القرآن (شیخ محمد بن عبدالرحمٰن الشافعی، م 894ھ)

((﴿ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ ..... وهٰذا مطلق محمول علی بعض، هو حد بالغ عاقل ماجامع فی نكاح شرعی فان حكم من جامع فيه الرجم باحاديث الصحاح.))

''اس آیت کا حکم بظاہر عام ہے لیکن اس پر قیود عائد ہیں جو یہ ہیں، حریت، عقل، بلوغ اور شرعی نکاح کے تحت عدم مباشرت، دوسرے قیود کے ساتھ مباشرت بھی شامل ہو تو پھر احادیث صحیحہ کی رو سے رجم کی سزا ہے۔''

12۔ تفسیر جلالین (جلال الدین سیوطیؒ، م 911ھ و جلال الدین محلیؒ)

((﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾ أى غير المحصن لرجمهما بالسنة.))

"﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾ ......یعنی غیر محصن زانی اور غیر محصنہ زانیہ کیونکہ محصن زانی اور محصنہ زانی کو سنت کی رو سے رجم کرنے کا حکم ہے۔"

13۔ تفسیراتِ احمدیہ (ملا احمد جیون، سنِ تالیف 1075ھ)

((الحكم المذكور في الأية وهو الجد انما هو لغير المحصن و للمحصن الرجم.))

"اس آیت میں جو حکم مذکور ہوا ہے وہ کوڑوں کی سزا ہے جو صرف غیر محصن زانی کے لیے ہے اور محصن زانی کے لیے رجم کی سزا ہے۔"

14۔ تفسیر مظہری (قاضی ثناء اللہ پانی پتی، م 1225ھ)

((اجمع علماء الامة على ان الزانية والزاني اذا كانا حرين عاقلين بالغين غير المحصنين فحدها ان يجلد كل واحد منهما مائة جلدة بحكم هٰذه الأية.))

"علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کے حکم کی رو سے آزاد، عاقل، بالغ اور غیر محصن زانی اور غیر محصنہ زانیہ دونوں کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔"

15۔ فتح القدیر (امام شوکانی، م 1255ھ)

((﴿ مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ هو حد الزاني الحد البالغ البكر وكذالك الزانية اما من كان محصنًا من الاحرار فعليه الرجم بالسنة المتواترة وباجماع اهل العلم.))

"اس آیت میں آزاد بالغ، کنوارے زانی اور کنواری زانیہ کی حد بیان کی گئی ہے، مگر آزاد محصن زانی اور آزاد محصنہ زانیہ کو سنت متواترہ اور اجماع اہل علم کے مطابق رجم کرنے کا حکم ہے۔"

16۔ روح المعانی (علامہ محمود آلوسی، م 1210ھ)

((..... وقد اجمع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت، وانكار الخوارج ذالك باطل لانهم ان انكروا حجة اجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فجهل مركب. وان انكروا وقوعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لانكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس ما نحن فيه لان ثبوت الرجم منه عليه الصلاة والسلام متواتر المعنىٰ.))

''اس امر پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، علمائے سلف و خلف اور ائمۂ اسلام کا اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کر کے ہلاک کیا جائے گا، اس بارے میں خوارج کا اختلاف باطل ہے کیونکہ اگر وہ اجماع صحابہؓ کی حجیت کا انکار کرتے ہیں تو یہ جہل مرکب ہے اگر وہ محض خبر واحد کی حجیت سے انکار کر کے رسول اللہ ﷺ سے اس حکم کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں تو اس ...... بات کے باطل ہونے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ رجم متواتر المعنیٰ احادیث سے ثابت ہے۔''

17۔ تفسیر مواہب الرحمٰن (سید امیر علی، م 1337ھ)

''اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں زانیہ اور زانی بے شبہ عموم پر ہیں خواہ محصن ہوں یا غیر محصن ہوں تو تم نے کیوں اس پر عمل نہ کیا؟ جواب یہ ہے کہ عموم سے تخصیص واقع ہوئی ہے یعنی زانیہ باندی و زانی غلام کے واسطے سو درے کا حکم نہیں بدلیل قطعی قولہ تعالیٰ:

﴿ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾

''تو ان (لونڈیوں) پر ''محصنات'' کی سزا کا نصف ہے۔''
پس جب عموم نہیں رہا تو ہم نے معلوم کیا بذریعہ مشہورِ حدیث رجم و اجماع کے کہ زانیہ غیر محصنہ کا حکم درے ہیں اور محصنہ کا حکم رجم ہے۔

18۔ تفسیر مراغی (احمد مصطفیٰ مراغی، م 1365ھ)

((ان كان الزانيان محصنين و استو فيا الشروط الأتيه و هي ان يكون بالغين عاقلين حرين مسلمين متزوجين بعقد نكاح صحيح، وجب رجمهما : اى رميهما بالحجارة حتى يموتا.))

''لیکن اگر زانی محصن ہو اور زانیہ محصنہ ہو اور ان میں درج ذیل شرائط بھی پائی جائیں یعنی بلوغ، عقل، حریت، اسلام، نکاحِ صحیح کی زوجیت تو پھر ان دونوں کے لیے رجم یعنی پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سزا ہے۔''

19۔ فی ظلال القرآن (سید قطب، م 1385ھ)

((والجلد هو حد البكر من الرجال والنساء وهو الذى لم يحصن بالزواج ويرفع عليه متى كان مسلما بالغا عاقلا حرا. فاما المحصن وهو من سبق له الوطى فى نكاح صحيح ومسلم حر بالغ فحده الرجم وقد ثبت الرجم بالسنة وثبت الجلد بالقرآن ولما كان النص القرآنى مجملا و عاما، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رجم الزانيين المحصنين، فقد تبين من هذا ان الجلد خاص لغير المحصنين.))

''کوڑوں کی یہ سزا اس کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے ہے جن میں نکاح کی حالت احصان نہ پائی جاتی ہو۔ اور پھر وہ مسلمان'' بالغ عاقل اور آزاد رہتے ہوئے زنا کا ارتکاب کریں مگر جو محصن زانی اور محصنہ زانیہ ہو اور وہ مباشرت بھی کر چکے ہوں تو ان کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔ حد رجم سنت سے ثابت ہے

اور کوڑوں کی حد قرآن سے ثابت ہے اور جبکہ قرآن کی نص مجمل اور عام نوعیت کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے محصن اور محصنہ زانیوں کو چونکہ رجم کی سزا دی تو اس سے ظاہر ہوا کہ کوڑوں کی سزا صرف غیر محصن زانیوں کے لیے ہے۔''

20۔ تفہیم القرآن (ابوالاعلیٰ مودودی، م 1399ھ)

یہ امر کہ زنا بعدِ احصان کی سزا کیا ہے قرآن مجید نہیں بتاتا بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ بکثرت روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) بیان فرمائی ہے بلکہ عملاً آپ نے متعدد مقامات میں یہی سزا نافذ بھی کی ہے۔ پھر آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اس کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرام اور تابعین تک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ قرن اول میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا۔ اس کے بعد تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اسلام اس بات پر متفق رہے ہیں کہ یہ ایک سنت ثابتہ ہے کیونکہ اس کی صحت کے اتنے متواتر اور قوی ثبوت موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی صاحب علم اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ امت کی پوری تاریخ میں بجز خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے اور ان کے انکار کی بنیاد یہ نہیں تھی کہ نبی ﷺ سے اس حکم کے ثبوت میں وہ کسی کمزوری کی نشان دہی کر سکے ہوں بلکہ وہ اسے قرآن کے خلاف قرار دیتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کے اپنے فہم قرآن کا قصور تھا۔ وہ کہتے تھے قرآن ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾ کے مطلق الفاظ استعمال کر کے اس کی سزا سو سو کوڑے بیان کرتا ہے لہٰذا قرآن کی رو سے ہر قسم کے زانی کی سزا یہی ہے اور اس سے زانی محصن کو الگ کر کے اس کی کوئی اور سزا تجویز کرنا قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ جو قانونی وزن رکھتے ہیں، وہی قانونی وزن ان کی اس تشریح کا بھی ہے جو نبی ﷺ نے کی ہو بشرطیکہ وہ آپ ﷺ سے ثابت ہو۔''

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امت کے تمام معتمد علیہ مفسرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ آیت جلد کے حکم کا اطلاق صرف غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے ارتکابِ زنا پر ہوتا ہے اور اس حکم میں شادی شدہ زانی مرد اور عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا معاملہ الگ نوعیت رکھتا ہے اور ان کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔

قرآنِ حکیم اور قتل نفس:

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ قرآن مجید اصول وکلیات کی کتاب ہے اور اس میں بیشتر احکام ایسے ہیں جو مجمل طور پر بیان ہوئے ہیں اور ان کی تفصیل قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ ایسے مجمل احکام کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہمیں سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تا کہ قرآن کے کسی اجمالی حکم کی تفصیلی صورت سامنے آئے اور اس پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہو جائے۔

اس کی ایک مثال نماز ہے۔ وہ نماز جو اسلام کا بنیادی رکن اور عماد الدین ہے، جو ایک مسلمان اور کافر کے درمیان عملی سرحد ہے، جس کا ادا کرنا سفر وحضر حتی کہ عین میدانِ جنگ میں بھی ضروری ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید نے ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ (نماز قائم کرو) کا صرف مجمل حکم دیا ہے اور اس کے پانچ اوقات کا تعین' اس کی رکعات کی تعداد اور اس کی عملی ہیئت' ان میں سے کوئی بھی قرآن میں مذکور نہیں ہوئی ہے۔ یہ ساری تفصیلات ہمیں سنت کے ذریعے ملتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سنت نے نماز پڑھنے کی تفصیل نہ بیان کی ہوتی تو کوئی شخص بھی قرآن کی مطلوبہ نماز ادا نہ کر سکتا۔

اس طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو نماز کے بعد دوسرا اہم ترین رکن دین ہے؟ زکوٰۃ کب اور کتنی ادا کی جائے؟ یہ ساری تفصیل ہمیں سنت مبارکہ میں ملتی ہے جس کے بعد زکوٰۃ کے قرآنی حکم پر عمل کرنے کی صورت سامنے آتی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۝ ﴾

(الانعام: 151)

''اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جس کا قتل کیا جانا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی جان اِلَّا بِالْحَقِّ کے تحت مباح الدم ہو جائے تو اسے قتل کر سکتے ہیں۔

اِلَّا بِالْحَقِّ کی وضاحت:

حدیث کی رو سے کسی مسلمان کا خون اس وقت مباح ہو جاتا ہے جب وہ:

1۔ کسی شخص کو قتل کر دے۔

2۔ شادی شدہ ہو اور پھر ارتکاب زنا کرے۔

3۔ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے صحیح بخاری (کتاب الدیات) میں بیان کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو امامہ بن سہل عن عثمان کی روایات میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

اب ہم سورۂ انعام کی اس آیت کے ٹکڑے ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء درج کریں گے۔

1۔ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

((﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ بالعدل یعنی بالقود و الرجم والارتداد.))

'' ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ کے معنی ہیں عدل و انصاف کی رو سے، یعنی قصاص رجم اور ارتداد کی صورتوں میں کسی جان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔''

2۔ تفسیر طبری۔

((﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ یعنی أباح قتلها به، من ان تقتل نفسا، فتقتل

قـوادابهـا، او تـزنـي وهـي محصنة، فترجم او ترتد عن دينها الحق فتقتل، فذالك الحق الذى أباح اللّٰه جل ثناء وه قتل النفس التى حرم على المؤمنين قتلها به.))

''یعنی وہ صورت جس میں کوئی جان مباح الدم قرار پاتی ہے یہ ہے کہ کوئی جان دوسری جان کو قتل کر دے اور پھر قصاص کے طور پر قتل کی جائے۔ یا وہ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کی مرتکب ہو اور پھر اُسے رجم کر دیا جائے، یا وہ دینِ حق سے مرتد ہو جائے اور پھر مار ڈالی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمودہ یہی وہ ''الحق'' ہے جس کے تحت مسلمانوں کے لیے کسی جان کو قتل کرنا مباح ٹھہرتا ہے۔''

3۔ معالم التنزیل (امام بغوی، متوفی 516ھ)

((﴿ اِلَّا بِـالْـحَقِّ ﴾ الا بمـا ابيـح قتـله من ردة اوقصاص او زنا موجب الرجم.))

''الا بالحق سے مراد وہ حق شرعی ہے جس کے تحت کسی شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے جیسے ارتداد، قصاص اور وہ زنا جس پر حدِ رجم ہے۔''

4۔ تفسیر کشاف۔

((اِلَّا بِالْحَقِّ .... كالقصاص والقتل على الردة والرجم.))

''قصاص، مرتدین کا قتل اور رجم سب الا بالحق میں داخل ہیں۔''

5۔ تفسیر کبیر۔

((اِلَّا بِـالْـحَقِّ ....اى قتل النفس المحرمه قد يكون حقا لجرمٍ يصـدر منها. والحديث أيضاً موافق له وهو قوله عليه السلام " لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث: كفر بعد ايمان، وزنا بعد احصـان وقتـل نفس بغير نفس " والقرآن دل على سبب الرابع .... وهو قولـه تـعالىٰ: ﴿ اِنَّـمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا ﴾ ......))

''یعنی کسی جان محترم کو اس کے جرم کی وجہ سے قتل کر دینا واجب بھی ہو جاتا ہے اور قرآن کے اس حکم کے موافق وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان کا خون بغیر تین صورتوں کے حلال نہیں۔

1۔ اگر وہ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے یعنی مرتد ہو جائے۔

2۔ اگر وہ شادی ہو جانے کے بعد زنا کا ارتکاب کرے۔

3۔ اگر وہ کسی کو ناحق قتل کر دے۔''

اور قرآن نے چوتھا سبب یہ بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں سرگرمِ عمل ہیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ چُن چُن کر قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں۔''

6۔ تفسیر قرطبی۔

((اِلَّا بِالْحَقِّ ...... الذی یوجب قتلها .... وقال صلی الله علیه وسلم: " لا یحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة.))

''الا بالحق یعنی جس کے تحت کوئی جان واجب القتل ہو جاتی ہے ....

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کا خون مباح نہیں سوائے اس کے کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ یہ کہ: (1) وہ شادی شدہ ہو اور پھر مرتکب زنا ہو۔ (2) یہ کہ وہ قاتل ہو۔ (3) یہ کہ وہ دین کو چھوڑ کر جماعتِ مسلمین سے الگ ہو جائے۔''

7۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن (شیخ ابوعلی طبرسی)

((الحق الذی یستباح قتل النفس المحرم قتلها ثلاثء اشیاء: القود والزنا بعد احصان والکفر بعد ایمان.))

((فقد جاء في الصحيحين عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: " لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا الٰه الا اللّٰهُ واني رسول الله الا باحدى ثلاث،الثيب الزاني والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة.))

''صحیحین میں یعنی بخاری ومسلم میں حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں اس حال میں کہ وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا برحق رسول ہوں۔ سوائے تین حالتوں کے (جن میں اس کا خون مباح ہو جاتا ہے)...... (1) جبکہ وہ زانی محصن ہو۔ (2) جبکہ اس پر قصاص واجب ہو۔ (3) جب وہ دینِ اسلام کو چھوڑ کر جماعتِ مسلمین سے الگ ہو جائے۔''

((وعن امير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله عنه انه، قال وهو محصور: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "رجل كفر بعد اسلامه، او زنى بعد احصانه، او قتل نفسا بغير نفس." فوالله ما زنيت في جاهلية والاسلام ولا تمنيت أن لي بديني بدلا منه بعد اذ هداني اللّٰه، ولا قتلت نفسا، فلم تقتلونني؟ رواه الامام احمد والترمذي والنسائي وابن ماجه وقال الترمذي وهٰذا حديث حسن.))

''امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جب وہ دشمنوں کے نرغے میں تھے، کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بغیر تین صورتوں کے اول یہ کہ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے، دوم یہ کہ وہ شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے سوم یہ کہ وہ کسی کو ناحق قتل کر ڈالے۔'' خدا کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں کبھی زنا

کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد اور میں نے کبھی اپنا دین بدلنے کا ارادہ نہیں کیا جب سے مجھے اللہ نے ہدایت بخشی اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے پھر مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو؟ اس روایت کو امام احمد، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔''

11۔ تفسیر بیضاوی

((اِلَّا بِالْحَقِّ .... کالقود وقتل المرتد و رجم المحصن.))

'' قاتل سے قصاص لینا، مرتد کو قتل کرنا اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنا ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ کے تحت داخل ہے۔''

12۔ تفسیر جلالین

((اِلَّا بِالْحَقِّ .... کالقود وحد لردة و رجم المحصن.))

''قصاص، حدِ ارتداد اور زانی محصن پر حدِ رجم الا بالحق میں شامل ہیں۔''

13۔ تفسیر مظہری

((أی بحق یبیح قتله من ردة او قصاص او زنا بعد احصان او نقض عهد او بغی او قطع طریق.))

''یعنی وہ حق شرعی جس کے سبب سے کسی شخص کا قتل مباح ہو جاتا ہے وہ ارتداد ہے، یا قصاص ہے یا شادی کے بعد زنا کا ارتکاب ہے یا اسلامی حکومت سے غیر مسلم کی عہد شکنی ہے یا بغاوت ہے یا رہزنی ہے۔''

14۔ تفسیر فتح القدیر

((ومن الحق قتلها قصاصا و قتلها بسبب زنا المحصن، وقتلها بسبب الردة ونحو ذٰلك من الاسباب التی ورد الشرع بها.))

''اور وہ ''حق'' یہ ہے: کسی کو قصاص میں قتل کرنا، کسی شادی شدہ کو زنا کے جرم میں قتل کرنا، کسی کے مرتد ہو جانے پر اسے قتل کرنا اور اسی قبیل کے وہ اسباب قتل

جو شریعت میں وارد ہوئے ہیں۔"

15۔ تفسیر روح المعانی

((وَ ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ الذی هو أمر الشرع بقتلها وذٰلك كما روى في الخبر بالكفر بعد الايمان والزنا بعد الا حصان وقتل النفس المعصومة.))

"اور "بالحق" سے مراد وہ صورتیں ہیں جن کے تحت قتل نفس واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ارتداد سے، شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرنے سے، اور کسی بے گناہ جان کو قتل کرنے سے کسی شخص کا خون مباح ہو جاتا ہے۔"

16۔ تفسیر مراغی

((وقوله ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ إيماء الى أن قتل النفس قد يكون لجرم يصدر منها كما جاء في الحديث: " لا يحل دم امرئ مسلم الا بأمور ثلاثة: كفر بعد ايمان، وزنا بعد احصان وقتل نفس بغير حق.))

"﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کسی جرم کے صادر ہونے کے بعد اس مجرم جان کو قتل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "کسی مسلمان کا خون بغیر تین صورتوں کے مباح نہیں ہے یہ کہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر یعنی مرتد ہو جائے۔ یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور پھر مرتکب زنا ہو، یہ کہ وہ کسی اور جان کو ناحق قتل کر دے۔"

((والخلاصة، إنَّ قتلها بالحق هو أمر الشارع با باحة قتلها كقتل القاتل عمداً اور قتل الزانی المحصن.))

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی شخص کو حقِ شرعی کے تحت مباح الدم قرار دینے کے بعد قتل کر دینا شارع علیہ السلام کا حکم ہے جیسے قاتل کو قتل کرنا یا شادی شدہ زانی کو

قتل کر دینا۔"

17۔ تفسیر کاشف

((الأصل في قتل النفس التحريم، ولا يحل الا بسبب موجب، وهو واحد من أربعة: نصت السنة النبوية على ثلاثة منها، وهي قوله (ص) لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث: كفر بعد ايمان،وزنا بعد احصان وقتل نفس بغير حق." ونص الكتاب على السبب الرابع في الأية 33 من سورة المائده:

﴿ اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا ﴾

"کسی جان کے قتل کے بارے میں اصل چیز حرمت ہے اور کسی شرعی عذر کے بغیر قتل نفس جائز نہیں ہے۔ شرعی اسباب چار ہیں جن میں سے تین اسباب کے بارے میں سنت کی نص موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کسی مسلمان کا خون سوائے تین حالتوں کے مباح نہیں ہے: (1) یہ کہ وہ مرتد ہو جائے۔ (2) یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور پھر زنا کا مرتکب ہو۔ (3) یہ کہ وہ کسی کو ناحق قتل کر دے۔" اور قرآن میں سورۂ مائدہ کی آیت 33 کے اندر چوتھی حالت یہ بیان ہوئی ہے کہ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ وہ چُن چُن کر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکا دیے جائیں۔"

18۔ تفسیر فی ظلال القرآن (سید قطب)

((والحق الذي تؤخذ به النفس بينه الله في شريعته ولم يتركه للتقدير والتاويل: فهو القصاص .... وهو القتل في ردة عن الاسلام ..... وهو القتل لحد في زنا المحصن .... وهو القتل

للافساد فی الارض، والخروج بالقوۃ لتقییدا لنص ھذہ الحالة ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾......))

''اور وہ ''حق'' جس کے تحت کسی کی جان لی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں بیان فرما دیا ہے اور اسے لوگوں کی رائے یا قیاس پر نہیں چھوڑا ہے اور وہ قصاص ہے...... اور وہ ارتداد ہے......... اور وہ شادی شدہ زانی کی حد ہے......... اور وہ فساد فی الارض ہے اور وہ بغاوت ہے۔قرآن کی اس نص کے مطابق کہ ''جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ وہ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر لٹکا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹی ترتیب سے کاٹ ڈالے جائیں۔''

19۔ معارف القرآن (مفتی محمد شفیع مرحوم 11 شوال 1396ھ)

''یعنی جس شخص کا خون اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔'' اور اس حق کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمائی ہے جو بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بخاری و مسلم نے نقل کی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے۔ایک یہ کہ وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو جائے، دوسرے یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے، تیسرے یہ کہ اپنا دین حق چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس وقت باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ حدیث سنا کر کہا کہ بحمد اللہ میں ان تینوں چیزوں سے...... بری ہوں۔میں نے زمانۂ اسلام

میں تو کیا زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی بدکاری نہیں کی، اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا اور نہ کبھی میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں اپنے دین اسلام کو چھوڑ دوں، پھر تم مجھے کس بنا پر قتل کرتے ہو۔"

(معارف القرآن جلد 3، صفحہ 486)

سنت اور سزائے رجم:

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تمام احادیث صحیحہ کا استقصاء کریں گے جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ آزاد زانیوں پر کوڑوں کی بجائے رجم کی سزا نافذ کی۔ اس سلسلے میں ہم پہلے قولِ رسول اور اس کے بعد فعلِ رسول بیان کرتے ہیں:

(قولِ رسول اللہ ﷺ!

1۔ ((عن عائشه رضی اللہ عنہا، قالت قال رسول الله ﷺ: " لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله، الا باحدى ثلاث: رجل زنى بعد احصان فانه يرجم ورجل خرج محاربا بالله ورسوله فانه يقتل اويصلب اوينفى من الارض، اويقتل نفسا فيقتل بها.))

(ابوداود، کتاب الحدود)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی مسلمان کا خون مباح نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں مگر تین صورتوں میں اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے، اس جرم پر اسے سنگسار کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرے تو (تو اس جرم کی پاداش میں) اسے قتل کیا جائے گا یا اسے پھانسی دی جائے گی یا اسے جلاوطن کر دیا جائے

گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی اور کو قتل کر دے تو اس پر اسے بھی (قصاص کے طور پر) قتل کر دیا جائے گا۔"

2- ((عَنْ عبدالله ﷺ قال قال رسول الله ﷺ لا یحل دم امریٔ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله، الا باحدی ثلاث: النفس بالنفس والثیب الزانی، والمارقِ من الدین التارك الجماعة.))

(صحیح بخاری، کتاب الدیات)

"حضرت عبداللہ (ابن مسعودؓ) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کا خون مباح نہیں جب کہ وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین حالتوں میں اس کا خون مباح ہوگا۔ پہلی یہ کہ قصاص کی حالت میں دوسری یہ کہ شادی شدہ زانی ہونے کی صورت میں اور تیسری یہ کہ دین کو چھوڑے اور جماعتِ مسلمین سے الگ ہونے کی شکل میں۔"

3- ((عن ابی امامة بن سهل: قال: کنا مع عثمان وهو مع عثمان وهو محصور فی الدار، وکان فی الدار مدخل من دخله سمع کلام من علی البلاط فدخله عثمان، فخرج الینا وهو متغیر لونه فقال: انهم لیتوعدُننی بالقتل أنفاً قال: قلنا یکفیکم الله یا امیر المؤمنین .... قال ولم یقتلوننی؟))

((سمعت رسول الله ﷺ یقول: " لا یحل دم امریٔ مسلم الا باحدی ثلاث: کفر بعد اسلام او زنا بعد احصان، او قتل نفس بغیر نفس، فواللّٰهُ ما زنیت فی جاهلیة ولا فی اسلام قط، ولا احببت ان لی بدینی بدلا مُنذ هدانی الله ولا قتلت نفساً فبِمَ

یقتلوننی؟.))

(سنن ابی داؤد، کتاب الدیات)

''حضرت ابو امامہ بن سہل کہتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے اور اس گھر کا ایک راستہ تھا جس کے اندر کھڑا آدمی مقام بلاط پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، ان کے چہرے کا رنگ متغیر تھا، وہ باہر نکلے اور فرمایا: ''ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔'' ہم نے عرض کیا: ''اے امیر المؤمنین! ان کے مقابل میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔'' فرمایا: ''یہ لوگ کیوں میرے قتل کے در پے ہیں۔''

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو، وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کر لے یا شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے، یا کسی کو ناحق قتل کر دے۔ خدا کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنا دین بدلنا بھی پسند نہیں کیا جب سے مجھے اللہ نے ہدایت کی توفیق دی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں نے کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کیا، پھر یہ لوگ مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہیں؟''

ان تینوں قولی احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ از روئے سنت شادی شدہ کے لیے کوڑوں کی بجائے قتل بصورتِ رجم کی سزا مقرر ہے۔

ب فعل رسول اللہ ﷺ!

4- ((عن ابی هریرة رضی الله عنه قال اتی رجل رسول الله ﷺ وهو فی المسجد فناداه فقال یا رسول الله ﷺ! انی زنیت، فاعرض عنه حتی ردّد علیه اربع مرات، فلما شهد علی نفسه اربع شهادات.

دعاہ النبی ﷺ فقال: " أبك جنون؟ " قال: " لا " قال: " فهل احصنت؟ " قال: " نعم " فقال النبی ﷺ: " اذهبوا به فارجموه.))

(صحیح بخاری)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے آپ ﷺ کو آواز دی اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔'' آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اس آدمی نے آپ کو چار مرتبہ متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ پھر جس وقت اس نے چار دفعہ قسم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو نبی ﷺ نے اسے بلا کر پوچھا: ''کیا تو پاگل ہے؟ وہ بولا: ''نہیں۔'' آپ نے پوچھا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟ جواب ملا ''جی ہاں۔'' اس کے بعد نبی ﷺ نے حکم دیا ''لوگو! اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔''

5- ((عن جابر بن عبدالله الانصاری أن رجلا من اسلام اتی رسول الله ﷺ فحدثه انه قد زنی، فشهد علی نفسه اربع شهادات، فامر به رسول الله ﷺ فرجم و كان قد أُحصِنَ.))

(صحیح بخاری، حدیث:6814)

''حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اس نے چار دفعہ قسم کھاتے ہوئے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے رجم کئے جانے کا حکم دیا اور پھر اسے رجم کیا گیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا۔''

6- ((عن ابی هريرة انه قال اتی رجل من المسلمين رسول الله ﷺ

وھو فی المسجد فناداہ فقال یا رسول اللہ! انی زنیت فاعرض عنہ فتنحیٰ تلقاء وجھہ، فقال لہ یا رسول اللّٰہ! انی زنیت فاعرض عنہ حتیٰ ثنی ذٰلك علیہ اربع مرات فلما شھد علی نفسہ اربع شھاداتٍ دعاہ رسول اللہ ﷺ فقال: أبك جنون؟ قال: "لا" قال: فھل اَحْصَنْتُ؟ قَالَ: نعم، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: اِذھبوا بہٖ فارجُموہُ.))

(صحیح مسلم، حدیث:4420)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس شخص نے آواز دی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔" حضور ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ کہا: "اے اللہ کے رسولؐ! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔" آپ اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے۔ اس نے چار دفعہ اپنی بات دہرائی۔ پھر جب اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر پوچھا: "تو پاگل تو نہیں؟" بولا: "نہیں" پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تو شادی شدہ ہے؟" وہ بولا: "جی ہاں" (میں شادی شدہ ہوں) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔"

7. ((عن ابی ھریرۃ و زید ابن خالد الجُھَنی انھما قالا ان رجلا من الاعراب اتی رسول اللہ ﷺ فقال انشدك اللہ الا قضیت لی بکتاب اللہ، فقال الخصم الأخر وھو افقہ منہ، نعم، فاقض بیننا بکتاب اللہ وائذن لی فقال رسول اللہ ﷺ قل! قال ان ابنی کان عسیفا علی ھذا فزنی بامراتہ وانی اخبرت ان علی ابنی الرجم فافتدیت منہ بمائۃ شاۃ ولیدۃ، فسالت اھل العلم فاخبرونی انما

علی ابنی جلد ماءة وتغریب عام وان علی امرء ة هذا الرجم فقال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لا قضینَّ بینکما بکتاب الله، الولیدة والغنم رد وعلی ابنك جلد ماءة وتغریب عام واغدُ یااُنیس الی امرءة هٰذا فان اعترفت فارجمها قال فغدا علیها فاعترفت فامربها رسول الله ﷺ فرجمت.))

(صحیح مسلم، کتاب الحدود)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور آ کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ خدا کی کتاب کے مطابق میرا فیصلہ فرما دیں اور دوسرا شخص جو پہلے سے زیادہ سمجھ دار تھا کہنے لگا: ''مجھے اجازت دیجئے کہ میں واقعہ بیان کروں۔'' آپ نے فرمایا: ''بیان کرو۔'' وہ بولا: ''میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے لڑکے پر رجم کی سزا واجب ہے تو میں اس کے فدیے کے طور پر اس آدمی کو ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی ہے، پھر جب میں نے اہل علم لوگوں سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے لڑکے پر سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور اس کے ساتھ ایک سال کی جلا وطنی اور عورت پر رجم کی سزا واجب ہے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈیاں اور بکریاں واپس کردی جاتی ہے۔ تمہارے لڑکے پر سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی اور اے انیس [ایک انصاری صحابی کا نام ہے] اس عورت کے ساتھ جاؤ اگر یہ اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کردینا، پھر جب وہ (صحابی) اس عورت کے ساتھ گئے تو اس

نے اعتراف جرم کرلیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔"

8- ((عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان رجلا من اسلم جاء الی رسول اللہ ﷺ فاعترف بالزنا فعرض عنه ثم اعترف عنه، حتی شهد علی نفسه اربع شهادات فقال له النبی ﷺ: " أبلك جنون؟ " قال: " لا " قال: " احصنت؟ " قال: " نعم " قال: فأمر به النبی ﷺ فرجم فی المصلی فلما اذلقته الحجارة، فر، فادرك فرجم حتی مات.))

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود)

" حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ کے سامنے جرمِ زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر اقرار کیا، اور جب چار دفعہ قسم کھا چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: " کیا تو پاگل ہے؟ " اس نے جواب دیا: " نہیں " آپ نے پوچھا: " کیا تو شادی شدہ ہے۔ " وہ بولا: " جی ہاں " پھر نبی ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ لوگ اسے عیدگاہ کی طرف لے گئے اور رجم کرنے لگے۔ جب اس پر پتھر پڑے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے تعاقب کر کے اسے پھر جا لیا اور سنگسار کر دیا۔"

ان تمام فعلی احادیث کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سنت نے زانی محصن کے لیے رجم کی سزا مقرر کی ہے اور حضور ﷺ نے مقدماتِ زنا میں ملزم کے عاقل ہونے کے ساتھ ان کی حالتِ احصان کو بھی منجملہ ان شرائط کے پیشِ نظر رکھا ہے جن کی تحقیق کے بعد آپ نے حدِ رجم کا نفاذ فرمایا ہے۔ دورِ رسالت کے درجن بھر مقدماتِ زنا میں سے کسی ایک مقدمۂ زنا کی روداد میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ:

1۔ آپ ﷺ نے ملزم کی " غنڈہ گردی " کا اثبات فرمانے کے بعد اسے غنڈہ قرار دیا ہو

''امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بارے میں خوب غور و تامل سے کام لے۔ جب اُسے معلوم ہو کہ زنا کا ملزم صحیح العقل ہے تو پھر ملزم سے احصان (شادی شدہ ہونے) کے بارے میں پوچھے کیونکہ حالتِ احصان کے ہونے سے سزا مختلف ہو جاتی ہے ممکن ہے اس کے بعد جلد فیصلہ ہو سکے اور قاضی کو اس بات کے ثبوت میں گواہی طلب نہ کرنی پڑے۔ پھر جب ملزم اقرار کر لے کہ وہ محصن ہے اس سے مزید پوچھا جائے کیونکہ احصان کا لفظ کئی ایک مفہوم رکھتا ہے اور بعض اوقات ملزم ان مفاہیم کو نہیں جانتا۔ اس لیے اس کی حالتِ احصان کا صحیح تعین کرنے کے بعد ہی اس کے بارے میں رجم کیے جانے کا حکم دے۔''

(المبسوط، کتاب الحدود، ج9، ص94، طبع مصر)

ب ((واذا واجب الحد و كان الزانى محصنا رجمه بالحجارة حتى يموت لانه عليه السلام، رجم ما عزًا وقد احصن و قال فى الحديث المعروف "وزنا بعد احصان" وعلى هٰذا اجماع الصحابة رضى الله عنهم.))

(الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی، ج2، ص72، طبع مصر)

''اور جب کسی زانی محصن پر حد واجب ہو جائے تو اسے رجم کر دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ماعز کو رجم کرایا جبکہ وہ شادی شدہ تھا مزید برآں ایک مشہور حدیث میں آپ نے شادی شدہ آدمی کو جرمِ زنا کے ارتکاب پر مباح الدم قرار دیا ہے۔ اور اسی پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے۔''

2۔ مالکیہ کی رائے:

((والثيب حده الرجم بغير جلد والبكر جده الجلد بغير رجم.))

(المدونۃ الکبریٰ، جلد 4)

''شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے بغیر کوڑوں کے اور غیر شادی شدہ زانی کی حد کوڑے ہیں بغیر رجم کے۔''

3۔شافعیہ کی رائے:

((وحد المحصن والمحصنة ان یرجما بالحجارة حتی یموتا.))

''شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانیہ کی حد شرعی یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔''

(امام شافعی، کتاب الام، کتاب الحدود، ج6،ص154)

4۔حنابلہ کی رائے:

((الرجم لا یجب الا علی المحصن باجماع اهل العلم وفی حدیث عمر ﷺ: ان الرجم حق علی من زنا وقد احصن وقال النبی ﷺ: " لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث ذکر منها. " او زنا بعد احصان.))

(المغنی، ابن قدامہ، جلد 9، مطبوعہ قاہرہ)

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ رجم کی حد صرف شادی شدہ زانی کے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''رجم حد شرعی ہے اس زانی کے لیے جو شادی شدہ ہو۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان کا خون بغیر تین صورتوں کے مباح نہیں اور ان میں آپ نے ایک صورت یہ فرمائی کہ ''شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کرنا۔''

5۔ائمة مجتہدین کی متفقہ رائے اور اجماع امت:

ا) **((فان الثیب الاحرار المحصنون فان المسلمین اجمعوا علی ان حدهم الرجم))**

''رہے آزاد شادی شدہ زانی تو اس بارے میں اجماع امت یہی ہے کہ ان کے

لیے رجم کی حد واجب ہے۔''

(بدایۃ المجتہد، ج2،ص426)

ب ((اتفق الائمة على ان من كملت فيه شروط الاحصان ثم زنا بامرء ة قد كملت فيها شروط الاحصان بان كانت حرة بالغة عاقلة مدخولا بها فی نكاح صحيح وهی مسلمة. فهما زانيان محصنان يجب على كل واحد منها الرجم حتى يموت.))

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ از عبدالرحمٰن جزیری، جلد پنجم، کتاب الحدود)

''ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص میں احصان کی سب شرطیں پائی جائیں اور پھر وہ کسی ایسی عورت سے زنا کا مرتکب ہو جس میں بھی احصان کی تمام شرائط موجود ہوں یعنی وہ آزاد بالغہ عاقلہ ہو اور نکاحِ صحیح کے بعد مدخولہ ہو چکی ہو اور مسلمان بھی ہو۔ تو ایسے محصن زانی اور محصنہ زانیہ میں سے ہر ایک کو رجم کرنا واجب ہے۔''

ج ((اجمع العلماء وجوب جلد الزانی البكر ماء ة ورجم المحصن وهو الثيب.))

''علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کنوارے زانی پر سو کوڑے اور شدی شدہ زانی پر حدِ رجم واجب ہے۔''

(شرح صحیح مسلم از امام نوویؒ، جلد دوم)

6۔فقہ جعفریہ:

ا ((عن ابی عبدالله عليه السلام قال: الرجم حد الله الا كبر والجلد حد الله الا صغر فاذا زنى الرجل والمحصن يرجم ولم يجلد.))

''حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ حدِ رجم اللہ کی سب سے بڑی حدِ شرعی ہے

اور کوڑوں کی سزا اس سے کمتر ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ مرتکب زنا ہو تو اسے کوڑے مارنے کی بجائے رجم کیا جائے گا۔''

(الفروع من الکافی از ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی، م 328، کتاب الحدود، جلد 7، ص 177)

ب ((عن ابی عبدالله علیه السلام قال: الحر والحرة اذا زنیا جلد کل واحد منهما مائة جلدة فاما المحصن والمحصنة فعلیها الرجم.))

''حضرت عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: آزاد غیر شادی شدہ زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں مگر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم واجب ہے۔''

ج ((وأما الرجم فیجب علی المحصن اذا زنی ببالغة عاقلة.))

''رجم کی سزا ایسے شادی شدہ پر واجب ہوتی ہے جو کسی بالغہ اور عاقلہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو۔''

(شرائع الاسلام از جعفر بن ابی زکریا، متوفی 672ھ)

7۔ فقه ظاهریه:

((حد الحر والحرة المحصنین قالت طائفة: الحر والحرة اذا زنیا و هما محصنان فانهما یرجمان حتی یموتا، وقالت طائفة: یجلد ان مائة ثم یرجمان حتّٰی یموتا .... فاما الازارقة فلیسوا من فرق الاسلام لانهم الذین اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عنهم بانهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة فانهم قالوا لا رجم أصلاً وانما هو الجلد فقط.))

''یعنی آزاد شادی شدہ زانیوں کی حد کے بارے میں ایک گروہ نے کہا ہے کہ ''آزاد شادی شدہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر

جائیں۔'' دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ پہلے ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور پھر رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائیں...... جہاں تک آزارقہ (خوارج کا ایک گروہ) کا تعلق ہے وہ فرقہ اسلام نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ دین سے ایسے نکل گئے ہیں جسے تیر شکار کیے ہوئے جانور سے پار نکل جاتا ہے۔ ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس باب میں رجم کی کوئی سزا نہیں ہے بلکہ صرف کوڑے مارنے کی سزا ہے۔''

(المحلیٰ از ابن حزم ظاہری، کتاب الحدود، جلد 11، ص 231 تا 233)

8۔امام شاطبیؒ کی رائے :

((من زعم ان قوله تعالیٰ فی الاماء: ﴿ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ لا یعقل ما جاء فی الحدیث ان النبی ﷺ رجم ورجمت الائمة بعده لانه یقتضی ان الرجم ینتصف وھذا غیر معقول فکیف یکون نصفه علی الاماء؟ ذھاباً منھم الی ان المحصنات ھن ذوات الازواج، ولیس کذلك، بل المحصنات ھنا المراد بھن الحرائر، بدلیل قوله اول لآیة: ﴿ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ﴾ ولیس المراد ھنا الا الحرائر، لان ذوات الازواج لا تنکح.))

(الاعتصام، امام شاطبی، ج2، ص315، 316)

''جو کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو لونڈیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''پھر اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر محصنات کے مقابل میں آدھی سزا واجب ہے۔'' اور نبی ﷺ اور خلفاء راشدین نے تو رجم کی سزا دی ہے۔ جبکہ رجم کا نصف ممکن نہیں تو پھر قرآن وحدیث میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اور

لونڈیوں کے لیے نصف سزا کیا ہوگی؟ ایسے شخص نے قرآن کے اس مقام پر محصنات کے معنی شادی شدہ عورت کے لیے ہیں، حالانکہ یہاں یہ معنی لینا صحیح نہیں بلکہ اس جگہ محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں۔ اس کی دلیل خود اسی آیت کے آغاز میں موجود ہے کہ ''جو تم میں سے محصنات مومنات یعنی آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ ان مومنہ کنیزوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، نکاح کر لے۔'' اس مقام پر محصنات سے صرف آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ شادی شدہ عورتوں سے تو نکاح نہیں کیا جا سکتا۔''

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم واجب ہونے پر امت کے تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے اور سب نے اسے سنت کی نص صریح قرار دیا ہے جس میں قیاس و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ چونکہ غامدی صاحب کا موقف سنت اور اجماع اُمت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہرگز صحیح نہیں ہے۔

حد رجم کا اثبات:

گذشتہ صفحات میں ہم نے ان امور کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کی رُو سے اسلامی شریعت میں زانی محصن پر حد رجم واجب ہوئی ہے۔ اب اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اپنے دلائل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید کی سورۂ نور میں جرمِ زنا کی سزا کے بارے میں جو حکم آیا ہے وہ دراصل کوئی ''حکم عام'' نہیں ہے جس میں ہر قسم کا مرتکب زنا شامل ہو بلکہ اس حکم کا اطلاق صرف آزاد زانیوں پر ہوتا ہے جبکہ لونڈیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) کے ارتکابِ زنا پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ خود قرآن نے اسی جرمِ زنا پر ان کے لیے پچاس کوڑوں کی حد بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ آیتِ جلد کا حکم ہر قسم کے زانیوں کے لیے عام ہے کیونکہ اس سے قرآن کی ایک نص صریح کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

2۔ قرآن کی آیتِ جلد کا مفہوم صرف وہی معتبر ہو سکتا ہے جو صاحبِ وحی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔ اس لیے کہ رسول ﷺ کو از روئے قرآن یہ حیثیت حاصل ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کا ٹھیک مدعا و منشاء، ان کی صحیح تعبیر اور ان کا عملی انطباق (Practical Application) واضح کریں۔

3۔ روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی بیان کردہ کوڑوں کی سزا صرف غیر شادی شدہ زانیوں کو دی ہے اور آپ ﷺ نے شادی شدہ زانیوں پر قرآن کے اس حکم کا اطلاق نہیں کیا، بلکہ ان کو الگ سے رجم کی سزا دی ہے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ ہر مقدمہ زنا میں ملزم کے بارے میں یہ امر بالخصوص دریافت فرما لیتے کہ آیا وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟ پھر ثبوتِ جرم پر پہلی صورت میں آپ ﷺ سو کوڑوں کی حد نافذ کرتے اور دوسری صورت میں مجرم پر رجم کی حد جاری فرماتے تھے۔

پھر جس طرح ایک مسلمان پر کتاب اللہ کی اطاعت واجب ہے بالکل اسی طرح اس پر رسول ﷺ کی اطاعت بھی واجب ہے اور آج سنت چونکہ رسول اللہ ﷺ ہی کی قائم مقام ہے اس لیے اس کی اطاعت بھی ہر مسلمان پر واجب ہے۔

4۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم نافذ تھی اور اس دور میں سے ایک ''سنت ثابتہ'' کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر اس امر کے تاریخ شواہد بھی موجود ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دورِ مبارک کے بعد بھی مسلمان حکمرانوں نے جن میں عمر بن عبد العزیز بھی شامل ہیں زانی محصن پر حد رجم نافذ کی۔

5۔ اُمتِ مسلمہ کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سنت کی رو سے زانی محصن پر حد رجم واجب ہے۔ اس بات کے ثبوت میں انہوں نے درج ذیل امور پیش نظر رکھے ہیں:

الف قرآن حکیم کی آیت جلد کا حکم کوئی ''حکم عام'' نہیں ہے جس سے ہر قسم کے زانی مراد

کے لیے جائیں اس لیے کہ خود قرآن نے زانیہ لونڈیوں کے لیے پچاس کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ اگر چہ یہ ''حکم عام'' ہوتا تو قرآن اسی جرم پر لونڈیوں کے لیے الگ سزا کیوں مقرر کرتا؟ اس لیے سورۂ نور آیت 2 کے حکم کو عام سمجھنا خود قرآن کی رُو سے غلط ہے۔

ب آیتِ جلد کے حکم کو اگر بالفرض ''حکم عام'' بھی مان لیا جائے جب بھی سنت (خبر متواتر یا مشہور) کے ذریعے قرآن کے کسی ''حکم عام'' میں تخصیص ہوسکتی ہے اور سنت نے چونکہ اس قرآنی حکم میں آزاد زانی محصن کی تخصیص کر دی ہے لہٰذا اس حکم کا اطلاق آزاد محصن زانی پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس از روئے سنت رجم کی حد واجب ہوگی۔

ج آیت جلد کے حکم کو اگر ''مطلق حکم'' بھی مانا جائے جب بھی اس میں سنت (خبر متواتر یا مشہور) کے ذریعے تقیید یا تحدید ہوسکتی ہے بلکہ اسی طرح جس طرح آیت سرقہ (المائدہ 38) کے بظاہر مطلق حکم میں سنت نے یہ تقیید وتحدید کی ہے کہ ایک خاص نصاب سے کم مالیت اور غیر محفوظ مال کی چوری پر اس کا اطلاق نہیں کیا، بعینہ اس آیت جلد میں بھی سنت (خبر متواتر یا مشہور) نے یہ تقیید وتحدید کی ہے کہ آزاد زانی محصن پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ صرف غیر محصن زانی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

5۔ ملت اسلامیہ کے تقریباً تمام مفسرین کرام بھی اس بات پر متفق ہیں کہ سورۂ نور کی آیت جلد کا حکم صرف آزاد غیر شادی شدہ کنواری اور کنواریوں کے ارتکابِ زنا کے بارے میں آیا ہے اور آیت کے الفاظ: ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ ﴾ میں لامِ تعریف تعمیم کے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سزا ہر قسم کے زانیوں کے لیے نہیں ہے۔ اپنی اس بات کے ثبوت میں انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل دیے ہیں:

الف: قرآن مجید نے اپنے ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (النساء:25)

''پھر اگر وہ قیدِ نکاح میں آ جانے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو جو سزا "محصنات" کے لیے مقرر ہے اس کی نصف سزا ان (لونڈیوں) پر ہوگی۔''

اور" القرآن یفسر بعضه بعضا "کے اصولِ تفسیر کے مطابق آیتِ جلد کی سزا کو محصنات کی سزا قرار دیا ہے اور سیاق وسباق کا واضح قرینہ اس بات پر شاہد ہے کہ اس سے ''آزاد غیر شادی شدہ عورتیں'' مراد ہیں کیوں کہ ابتدائے آیت میں یہ لفظ ان آزاد عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن سے نکاح ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں شادی شدہ عورتیں مراد نہیں ہوسکتیں اس لیے کہ ان سے نکاح کرنا از روئے قرآن حرام ہے۔ محصنات پر پوری بحث باب 3 میں گزر چکی ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آیت جلد کا حکم صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں کے لیے ہے۔

ب: قرآن مجید کی وہی تفسیر معتبر ہوسکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور آپ کی سنت ثابتہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آیت جلد کے حکم کا اطلاق صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں پر کیا ہے اور ان پر سو کوڑوں کی حد جاری فرمائی ہے۔ باقی رہے شادی شدہ آزاد زانی، تو ان کو آپ ﷺ نے ہمیشہ رجم کی سزا دی ہے۔

ج: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾

(الانعام: 151)

''اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جس کا قتل کیا جانا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔''

اور" اِلَّا بِالْحَقِّ "کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی وہ معروف حدیث ملتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں منجملہ قاتل اور مرتد کے شادی شدہ زانی کو بھی مباح الدم قرار دیا گیا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت جلد کا حکم شادی شدہ آزاد زانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف

غیر شادی شدہ آزاد زانی کے ساتھ خاص ہے۔

6۔ سلف سے لے کر خلف تک تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سنت کے حکم کی رُو سے ہر شادی شدہ آزاد زانی پر حد رجم واجب ہے اور قرآن مجید میں جرم زنا پر جو سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا وارد ہوئی ہے وہ صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں کے لیے خاص ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلامی قانون میں زانی محصن کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے اور اس امر کی تائید میں قرآن مجید کے قرائن وشواہد ملتے ہیں، اس کے ثبوت میں سنت نبویہ کے نصوص موجود ہیں، اس کی حمایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تعامل شامل ہیں، اس پر ائمہ مجتہدین متفق ہیں، اس کے بارے میں امت کے فقہاء، محدثین اور مفسرین کے درمیان اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے اور اس پر قرن اول سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لہٰذا ایسے منصوص اور اجماعی معاملے میں اختلاف رائے کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں ہے ایسا اختلاف رائے گمراہی اور ضلالت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص محض ''ذوقِ اختلاف'' اور ''شوقِ اجتہاد'' میں اس متفق علیہ چیز کا انکار کرتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ ﴾

(النساء:115)

''جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور راہ پر چلے تو ایسے شخص کو ہم اُسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرنا چاہتا ہے اور پھر اسے داصل جہنم کریں گے جو ایک برا ٹھکانہ ہے۔''

10۔ مرتد کی سزائے قتل کا انکار

غامدی صاحب نے مرتد کے لیے قتل کی سزا ہونے کا بھی انکار کیا ہے۔

ارتداد کے لغوی معنی ''لوٹ جانے'' اور ''پھر جانے'' کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ارتداد کا مطلب ہے: ''دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لینا۔'' یہ ارتداد قولی بھی ہوسکتا ہے اور فعلی بھی۔ ''مرتد'' وہ شخص ہے جو دین اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لے۔

اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے جو صحیح احادیث، تعامل صحابہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

مگر غامدی صاحب اس منصوص اور اجماعی امر کو نہیں مانتے اور مرتد کے لیے سزائے قتل ہونے کے منکر ہیں۔ ہم سب سے پہلے مرتد کے واجب القتل ہونے کے شرعی اور عقلی دلائل دیں گے، اس کے بعد غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ لیں گے۔

صحیح احادیث:

نبی کریم ﷺ کے جن مستند فرامین کی بنا پر علمائے اُمت کا مرتد کی سزا قتل ہونے پر اجماع ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:

((مَنْ بَدَّلَ دينه فاقتلوه.))

(صحیح بخاری، رقم: 6922)

''جو (مسلمان) اپنا دین بدل لے، اُسے قتل کر دو۔''

اسی مضمون کی احادیث بعض جلیل القدر صحابہ کرام: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی،

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت خالد بن ولید اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہیں۔ مذکورہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالکؒ میں بھی موجود ہے۔

2۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث یہ بھی ہے کہ؛

((عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: " لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله الا الله، وأن رسول الله إلا بإحدىٰ ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارك للجماعة.))

(صحیح بخاری، رقم:2878)

" حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ماسوائے تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسری یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔"

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور مسند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

3۔ سنن ابوداؤد کی حدیث ہے کہ؛

((عن ابي أمامة بن سهل قال: كنّا مع عثمان وهو محصور في الدار، وكان في الدار مدخل من دخله سمع كلام من على البلاط، فدخله عثمان، فخرجه إلينا وهو متغير لونه، فقال: إنهم ليتواعدونني بالقتل آنفا، قال: قلنا يكفيكهم الله يا أمير المؤمنين

قال: ولم يقتلونني؟ سمعت رسول الله يقول: " لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث: كفر بعد إسلام، أو زنا بعد إحصان، أو قتل نفس بغير نفس." فوالله ما زنيت في جاهلية ولا في إسلام قط، ولا أحببت أن لي بديني بدلا منذ هداني الله، ولا قتلتُ نفسا فبم يقتلونني؟))

(سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، رقم: 4502)

"حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ اس گھر کا ایک راستہ تھا، جس کے اندر کھڑا آدمی گھر کی بالکونی پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سے سن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلے اور فرمایا: ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ان کے مقابلے میں اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ پھر فرمایا: یہ لوگ مجھے کیوں قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، سوائے اس کے کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے۔ (مرتد ہوجائے) یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناحق قتل کر دے۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنا دین بدلنا کبھی پسند نہیں کیا جب سے اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں نے کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کیا۔ پھر یہ لوگ کس بنا پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

مذکورہ بالا صحیح احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام میں مرتد شخص مباح الدم اور واجب القتل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی احادیث صحیحہ کی بنا پر تمام فقہائے اسلام کا اس پر

اجماع ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

کتبِ احادیث (جن میں صحیح بخاری بھی شامل ہے) اور معتبر کتبِ تاریخ سے ثابت ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں مرتدین کو ہمیشہ قتل کی سزا دی لیکن طوالت کے خوف سے ہم یہاں ان واقعات کی تفصیل نہیں دے رہے۔

اسی طرح خلفائے بنواُمیہ اور خلفائے بنوعباس نے بھی مرتد پر سزائے قتل نافذ کی۔

ائمہ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل حوالے ملاحظہ ہوں:

1۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے فقہی مسائل پر مبنی کتاب "**الفقه على المذاهب الأربعة**" (از عبدالرحمٰن جزیری) میں ہے کہ:

((واتفق الأئمة الأربعة عليهم رحمة الله تعالىٰ على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام ــ والعياذ بالله ــ وجب قتله، وأهدر دمه.))

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد 5، صفحہ 423)

"ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے ...... اللہ بچائے ...... اُس کا قتل واجب ہے اور اُس کا خون بہانا جائز ہے۔"

2۔ اسلامی فقہ کے اجماعی مسائل پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا موسوعۃ الاجماع میں ہے کہ مرتد کا خون بہانا جائز ہے:

((اتفقوا على أن من كان رجلا مسلمًا حرًّا ..... ثم ارتد إلى دين كفر ..... أنه حل دمه.))

(موسوعۃ الاجماع جلد اوّل، ص 436)

"اس پر تمام فقہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد مرتد ہو جائے تو اس کا خون بہانا جائز ہے۔"

3۔ اسلامی فقہ کی مشہور کتاب **الفقه الاسلامي وأدلته** میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی بھی احکام

المرتد کے تحت مرتد کی سزا قتل ہونے پر اجماعِ اُمت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((اتفق العلماء علی وجوب قتل المرتد لقوله ﷺ: " من بدّل دينه فاقتلوه." وقوله علیہ السلام: " لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدىٰ ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة. " وأجمع أهل العلم على وجوب قتل المرتد.))

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد 6، صفحہ 186)

" علما کا اس پر اتفاق ہے کہ مرتد کا قتل واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو مسلمان اپنا دین بدل لے، اسے قتل کردو۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی مسلمان شخص کا خون حلال اور مباح نہیں ہوتا مگر تین صورتوں میں: ایک یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو، دوسرے یہ کہ وہ کسی جان کا قاتل ہو اور تیسرے یہ کہ وہ دین کو چھوڑ دے، یعنی مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے اور اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مرتد واجب قتل ہے۔"

مذکورہ بالا شرعی دلائل کی تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر اجماعِ اُمت ہے۔

مرتد کی سزا کے عقلی دلائل:

اب تک ہم نے ایسے شرعی دلائل پیش کر دیئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور اس کی بنیاد احادیث صحیحہ، تعامل صحابہؓ اور اجماعِ اُمت پر ہے۔ ان شرعی دلائل کو جان لینے کے بعد ایک صاحب ایمان کا دل تو مطمئن ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی یہی سزا ہے۔ مگر کیا کیجیے، آج کل بہت سے اہل ایمان کے دلوں کو کسی شرعی حکم کے بارے میں محض شرعی دلائل سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے علاوہ عقلی دلائل چاہتے ہیں تاکہ اُنھیں شرح صدر ہو۔ اس لیے ہم ذیل میں مرتد کی سزائے قتل

کے بارے میں چند عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں:

1۔ سب سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح کا کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو انسانی زندگی کا محض ایک جزو یا ضمیمہ بن کر رہے اور جو ہر شخص کا ایک ذاتی اور نجی معاملہ (Private Matter) ہو۔ وہ کوئی لباس بھی نہیں جسے کوئی شخص آج پسند کر کے پہنے اور کل اُسے ناپسند کر کے اپنے جسم سے اُتار پھینکے۔ وہ دراصل ایک دین اور ایک نظامِ زندگی ہے۔ ایک مکمل ضابطہ حیات (Code of Life) ہے۔ وہ انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط ایک منظم معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ عبادت، معاشرت، معیشت، سیاست اور اخلاق، غرض انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، وہ ایک ایسی منظم و منضبط ریاست (Disciplined State) کی تشکیل کا خواہاں ہے جس کا ہر شہری اس کے جملہ احکام وقوانین کی پابندی کرے اور ان کی خلاف ورزی سے باز رہے۔

اب اگر اسلامی ریاست کا کوئی شہری اس کے کسی قانون کو توڑتا ہے تو وہ اپنے شہری کو اپنے قانون کے مطابق سزا دینے میں حق بجانب ہے۔ جب کوئی مسلمان شہری مرتد ہو جائے گا تو اسلامی ریاست ایسے شخص کو ارتداد (Apostasy) کے جرم کا ارتکاب کرنے پر موت کی سزا دے گی۔ یہ اسلامی ریاست کا قانون ہے اور دنیا کی دوسری ریاستوں کی طرح اسے بھی اپنے قانون کے نفاذ کا اختیار ہے۔

2۔ اسلام نے اپنے دائرے میں داخل نہ ہونے والوں اور اس میں داخل ہو کر نکل جانے والوں میں فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ کو ''کفار'' اور دوسرے کو ''مرتدین'' کہتا ہے۔ وہ پہلے گروہ کو برداشت کرتا اور کچھ حقوق بھی دیتا ہے، مگر دوسرے گروہ کو برداشت نہیں کرتا اور اُسے ہر حق سے محروم رکھتا ہے۔ پہلا گروہ بیگانوں کا ہے اور دوسرا بے وفا یگانوں کا۔ اُسے بیگانوں کی بے مروّتی پر کوئی شکوہ نہیں، مگر اپنوں کی بے وفائی اُسے گوارا نہیں۔ وہ بیگانوں سے محتاط رہتا ہے اور اُن کو اپنا راز دان نہیں بناتا۔ اس لیے

بیگانے اُسے زیادہ نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اپنوں سے اُس کی راز داری ہے جن کے چھوڑ جانے سے اُس کا دل کڑھتا ہے اور اُن کی طرف سے اُسے بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ سازش کر کے اُسے کسی بڑے خطرے سے دوچار نہ کر دیں، کیوں کہ ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' ہے۔

مرتد کا معاملہ اسی دوسری قسم سے متعلق ہے، وہ اسلام کا راز داں ہوتا ہے۔ جب وہ ارتداد کا مرتکب ہو کر دین اسلام سے الگ ہوتا ہے تو اپنے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات لیے اہل کفر کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ اُس کے یہ منفی جذبات کفار کی طرف سے اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف کسی بڑے خطرے اور سازش کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں، جس کے انسداد کے لیے اسلام نے مرتد کو موت کی سزا سنائی ہے۔

3۔ اسلام نے دنیا کے سامنے سوا چودہ سو برس پیشتر سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اس کے دائرے میں داخل ہونے یا نہ ہونے کی ہر شخص کو کھلی آزادی حاصل ہے۔ اس کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ: 256) لیکن اس دائرے میں داخل ہونے کے بعد اس سے باہر نکلنے پر پابندی عاید ہے ار جو کوئی اس پابندی کو توڑے گا اُسے موت کے گھاٹ اُتارا جائے گا۔

اب اگر کوئی شخص اسلام کا یہ اعلان سن لینے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے اس کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اپنی آزاد مرضی کے ساتھ اس سے باہر نکلنے پر عائد پابندی کو توڑتا ہے اور پھر اپنی اس حرکت پر اپنے کیے کی سزا پاتا ہے تو بتایئے اس میں اسلام کا کیا قصور ہے؟

4۔ ارتداد کو اسلام کے خلاف سازش کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور مدینے کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف یہ ہتھیار فی الواقع استعمال کیا تھا، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے کہ:

﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾

(آل عمران: 72)

''اہل کتاب کا ایک گروہ (اپنے لوگوں سے) کہتا ہے: تم جا کر صبح کو اس (دین) پر ایمان لے آؤ جو مسلمانوں پر اُترا ہے اور پھر شام کو انکار کر دو تا کہ اس طرح اور (مسلمان) بھی (اپنے دین سے) پھر جائیں۔''

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں نے یہ سازش کی تھی کہ اپنے ہاں کے کچھ پڑھے لکھے معتبر لوگوں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کیا جائے، وہ بظاہر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پھر جلد ہی اسلام کو چھوڑ کر اس سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اس کی ''خرابیاں'' دوسرے لوگوں تک پہنچائیں، اس طرح مسلمانوں بالخصوص نو مسلموں کا ایمان متزلزل کیا جا سکے اور وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں کہ جب پڑھے لکھے معقول حضرات بھی اسلام کے قریب جا کر اس سے بدک جاتے ہیں تو ضرور اس دین میں کچھ خرابیاں ہیں۔ اس کے علاوہ اس طریقے سے عام لوگوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے کوئی کشش اور ترغیب باقی نہ رہے گی۔ اگرچہ یہودیوں کی یہ سازش بوجہ ناکام رہی، تاہم آج بھی ارتداد کی کسی سازش کے ذریعے کمزور ایمان والے مسلمانوں کے لیے کسی مقام پر بھی کوئی فتنہ کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

5۔ آج کی مہذب ریاستوں کے فوجی قانون کی رُو سے کسی شخص کو فوجی ملازمت اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جب کوئی شخص اپنی مرضی سے فوجی ملازمت اختیار کر لیتا ہے تو اُسے ایک خاص مدت سے پہلے نوکری چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنی مرضی سے وقت سے پہلے نوکری چھوڑ دے تو اسے مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ اُس کا کورٹ مارشل کر کے اسے سزا دی جاتی ہے اور اگر وہ مفرور (Deserter) ہو جائے تو اسے سزائے موت کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے اور اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس لیے کہ فوج بھیڑوں کا گلہ نہیں ہوتا، وہ ایک منظم ادارہ ہوتا ہے۔ وہ اجتماعی ذمہ داریوں کا ایسا نظام ہے جو نظم و ضبط (Descipline) کی سختی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سول (Civil) میں جن

کاموں کو بالکل معمولی سمجھا جاتا ہے، وہی کام فوج میں جرائم قرار پاتے ہیں۔ وقت پر حجامت نہ بنوانا، اپنے بوٹ پالش نہ کرنا، اُن کے تسمے نہ باندھنا، وقت پر کھانا نہ کھانا، اپنا بستر درست نہ رکھنا، سول (Vivil) میں کوئی جرائم نہیں مگر یہی کام فوج میں جرائم شمار ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ اسلامی ریاست کا ہے، وہ بھی کوئی بکریوں کا ریوڑ نہیں ہوتی کہ جس بکری کا جب جی چاہا ریوڑ سے الگ ہوگئی اور جب چاہا اس میں پھر شامل ہوگئی۔ اسلامی ریاست ایک خدائی فوج (حزب اللہ) ہے جس کے نظم وضبط میں عام فوجی نظم وضبط سے بڑھ کر سختی اور پابندی ہے۔ عام فوج کے لیے چوبیس گھنٹوں میں صرف دو دفعہ حاضری ہے، مگر اسلامی معاشرے کے افراد کو پانچ وقت مسجد میں حاضری دینی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست ارتداد کو جرم قرار دیتی اور مرتد کو سخت ترین سزا دیتی ہے تاکہ اس کا اندرونی نظم وضبط قائم رہے۔ وہ ایک مرتد کو سزا دے کر اسی طرح اپنے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کرتی ہے جس طرح کسی قاتل کو سزا دے کر پورے معاشرے کی زندگی کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے اس نظم وضبط کی سختی پر اعتراض کرنے والوں کو پہلے اپنے ہاں کے فوجی نظم وضبط کی سختی پر غور کرنا چاہیے۔

◉ اس مقام پر بعض لوگ (جن میں غامدی صاحب بھی شامل ہیں) یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ جب کوئی مرتد مسلح ہوکر بغاوت کرے تو صرف اسی صورت میں وہ واجب القتل ہوتا ہے اور اگر وہ اسلامی ریاست کے خلاف مسلح جدوجہد اور بغاوت نہ کرے تو اُسے قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

اس اعتراض کا شرعی جواب تو یہ ہے کہ جن احادیث صحیحہ کی بنیاد پر مرتد کے واجب القتل ہونے پر اجماع ہے، اُن احادیث میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ مرتد جب تک مسلح بغاوت نہ کرے، وہ قتل کا مستحق نہیں ہے بلکہ ان احادیث میں مرتد کے محض مرتد ہونے پر اس کے لیے قتل کی سزا کا ذکر ہے۔

اور اس اعتراض کا عقلی جواب یہ ہے کہ جس طرح دنیا بھر میں کسی مفرور فوجی کو محض

مفرور ہو جانے پر فوجی قانون کی رُو سے موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا ہے اور اسے یہ سزا دینے کے لیے اُس کی طرف سے مسلح بغاوت ہونا کوئی شرط نہیں، بالکل اسی طرح ایک اسلامی ریاست بھی اپنے شرعی قانون کے مطابق مرتد کو، اس کی طرف سے مسلح بغاوت کیے بغیر بھی موت کی سزا دے سکتی ہے۔

مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ:

جناب غامدی صاحب مرتد کے لیے قتل کی شرعی سزا کو نہیں مانتے۔ اس بارے میں اُن کا موقف یہ ہے کہ مرتد کے لیے قتل کی سزا کا حکم تو ثابت ہے مگر یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اُن مشرکین عرب کے ساتھ خاص ہے جو اسلام قبول کر لینے کے بعد ارتداد اختیار کریں، باقی اور کسی قسم کے مرتد کے لیے قتل کی شرعی سزا کا کوئی وجود نہیں۔ غامدی صاحب اپنے اس موقوف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ محض ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے: ((من بدل دینه فاقتلوه .)) ..... "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اسے قتل کر دو۔" ہمارے فقہا اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتے ہے جو زمانۂ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے۔ ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رُو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اس معاملے میں ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہے تو بس یہ کہ قتل سے پہلے اسے توبہ کی مہلت دی جائے گی یا نہیں اور اگر دی جائے گی تو اس کی مدت کیا ہونی چاہیے؟ فقہائے احناف البتہ، عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہا اس بات

پر متفق ہیں کہ ہر مرتد کی سزا خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اسلامی شریعت میں قتل ہے۔
''

(برہان، طبع چہارم، جون 2006ء، صفحہ 139)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ؛

''لیکن فقہا کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو بیشک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا، جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآنِ مجید میں اُمّیّینَ یا مُشْرِکِینَ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔''

(برہان، طبع چہارم، صفحہ 140، جون 2006ء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ؛

''ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے قرآن وسنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کے بجائے اسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا، جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔''

(برہان، صفحہ 143، طبع چہارم، جون 2006ء)

ارتداد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے اس موقف کا جائزہ لیا جائے تو ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ؛

1۔ فقہائے اسلام نے صحیح بخاری کی حدیث ((من بدل دینه فاقتلوه .)) ......''جو مسلمان اپنا دین بدل لے تو اُسے قتل کر دو۔'' کو غلطی سے ایک عام حکم سمجھا ہے، جبکہ یہ ایک خاص حکم ہے۔

2۔ فقہائے اسلام نے مذکورہ بالا ایک ہی حدیث کی بنا پر ہر قسم کے مرتد کے لیے قتل کی سزا بیان کر دی ہے۔

3۔ مذکورہ حدیث کی اصل قرآنِ مجید کی ایک آیت سورۃ التوبہ: 5 ہے، جس کے بعد اس حدیث کا حکم خاص ہو جاتا ہے۔

4۔ اسلام کے حدود و تعزیرات میں مرتد کے لیے قتل کی سزا کا کوئی وجود نہیں۔

اب غامدی صاحب کے اس موقف کا ہم تجزیہ کرتے ہیں۔

(1) کیا حدیثِ مذکورہ کا حکم عام نہیں؟

غامدی صاحب مذکورہ حدیث کے حکم کو عام نہیں مانتے جب کہ عربیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے عام مانا جائے۔ اس حدیث: ((من بدل دینه فاقتلوه.)) ...... ''جو مسلمان اپنا دین بدل لے تو اُسے قتل کر دو'' میں مَنْ موصولہ کا اُسلوب وہی ہے جو درج ذیل حدیث کا ہے:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا.))

(جامع ترمذی، حدیث: 1315)

''جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''

اس حدیث میں بھی مَنْ (جو، جو کوئی، جس نے) موصولہ آیا ہے۔ اور اس کا حکم عام ہے۔ اس سے ہر دھوکہ دینے والا شخص مراد ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے دھوکہ دینے والا کوئی خاص فرد مراد ہے۔ عرب کے دھوکے باز مراد ہے، اور عجم کے دھوکے باز مراد نہیں ہو سکتا۔

غامدی صاحب نے حدیث: ((من بدل دینه فاقتلوه.)) میں مَنْ موصولہ کو اس کے عام حکم معنوں میں لینے کی بجائے ''مشرکین عرب'' کے خاص معنوں میں لیا ہے جو کہ عربیت کے بالکل خلاف ہے اور قرآن و حدیث کا جو مفہوم بھی عربیت کے خلاف لیا جائے، وہ غلط ہے کیونکہ یہ قرآن و حدیث کی معنوی تحریف ہے جو قرآن و حدیث کے انکار کے مترادف ہے اور اس حربے سے سارے دین کو دورِ نبوی ﷺ تک محدود کر کے پوری شریعت اسلامیہ کا تیا پانچا کیا جا سکتا ہے اور یہ کارنامہ ہمارے زمانے کے منکرین حدیث، بالخصوص غامدی صاحب بڑی دیدہ دلیری سے سرانجام دے رہے ہیں۔

چه دلاور است دزدے که بکف چراغ دارد

⊙ البتہ اس مقام پر عربیت کی رُو سے ایک سوال یہ اُٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا اس مَــنْ (جو) میں کافر بھی شامل ہے تو اس سوال کے جواب کی وضاحت خود نبی ﷺ نے اپنی دوسری احادیث میں فرمادی ہے کہ اس سے مسلمان مراد ہے۔ مثال کے طور پر ایک متفق علیہ حدیث ہے، جو پیچھے گزر چکی ہے:

((عن عبداللّٰه قال: قال رسول الله ﷺ: " لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إلٰه الا الله، وأن رسول الله إلا بإحدىٰ ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارك للجماعة.))

(صحیح بخاری، رقم: 2878)

" حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ماسوا تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسری یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے مرتد ہو جانے پر اُس کے لیے قتل کی سزا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہونے سے پہلے عرب کا مشرک تھا یا عجم کا کافر تھا۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی سزا ہے۔

(۲) کیا مرتد کی سزا کا مبنیٰ اور بنیاد صرف ایک ہی حدیث ہے؟

غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ فقہائے اسلام نے صرف صحیح بخاری کی ایک حدیث: ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ.)) کی بنیاد پر مرتد کے لیے قتل کی سزا بیان کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب کا یہ دعویٰ علمی خیانت پر مبنی ہے اور وہ یہ بات عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے

فرمارہے ہیں۔ فقہائے اسلام کے اس اجماعی فیصلے کی بنیاد صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ متعدد احادیث صحیحہ پر ہے جن کو ہم اس مضمون کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

غامدی صاحب کا یہ ''طریق واردات'' کہ کسی مسئلے پر بحث و استدلال کے لیے اس سے متعلق تمام احادیث کو پیش نظر رکھنے کی بجائے بعض حدیثوں کو لے لینا اور بعض کو چھوڑ دینا معروف دیانت دارانہ طریق بحث و استدلال نہیں ہے بلکہ یہ کام اُن کے لیے اپنے مسلمہ اُصول کے بھی خلاف ہے۔ وہ خود مانتے ہیں کہ؛

> ''چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس بات کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اسی باب کی تمام روایات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے۔''

(میزان، صفحہ 73، طبع دوم، اپریل 2002ء۔ اصول ومبادی، صفحہ 72، طبع فروری 2005ء)

مگر مرتد کی سزا کے معاملے میں اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم یعنی سنگساری کی حد کے بارے میں غامدی صاحب نے اپنے اس اصول کا بھی خون کر دیا ہے۔ انھوں نے اس بارے میں صرف ایک حدیث کی بنا پر ایک غلط رائے قائم کر لی ہے اور باقی متعلقہ روایات سے چشم پوشی کر لی ہے۔

(۳) مذکورہ حدیث کا قرآن سے ربط:

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ فقہائے اسلام نے حدیث ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ.)) ...... ''جو مسلمان اپنا دین بدل لے، تو اُسے قتل کر دو'' کو قرآن کی اصل سے متعلق نہیں کیا اور قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا اور مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس کے نتیجے میں اُنھوں نے مرتد کے لیے ایک ایسی سزا (قتل) قرار دے دی جس کا اسلامی حدود و تعزیرات میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اس حدیث کا ربط قرآنِ مجید کی سورۃ التوبہ کی اس آیت 5 سے جوڑا ہے، جسے ہم اُن کے ترجمے کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں:

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾

(التوبہ:5)

''پھر جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو اور اس کے لیے ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ہر گھات میں ان کے لیے تاک لگاؤ، لیکن اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کرلیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو انھیں چھوڑ دو۔ بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

آخر مرتد کے بارے میں مذکورہ حدیث اور اس قرآنی آیت میں کیا ربط و اشتراک ہوسکتا ہے؟ اسے ہر وہ شخص جان سکتا ہے جس نے زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی قرآنِ مجید کو کھلے ذہن کے ساتھ سمجھ کر پڑھا ہو۔ قرآنِ مجید کی اس آیت کو جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے، مفسرین حضرات نے مشرکین کے خلاف جہاد و قتال سے متعلق قرار دیا ہے، جب کہ مذکورہ حدیث مرتد کے بارے میں حکم بیان کرتی ہے۔ اب ارتداد کی سزا اور جہاد و قتال کے درمیان کیا باہمی ربط ہے؟ اس عقدے کی گرہ کشائی صرف غامدی صاحب کی عقل و منطق ہی کرسکتی ہے جو قرآن و حدیث کی عبارات میں اپنے خیالات پڑھنے کی عادی ہوچکی ہے۔ علمی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مرتد کے بارے میں آمدہ حدیث کو قرآنِ مجید کی ان آیات سے جوڑا جاتا جن میں ارتداد اور مرتدین کا ذکر آیا ہے مگر ایسا دانستہ طور پر نہیں کیا گیا، کیونکہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

قرآنِ مجید میں ارتداد اور مرتدین کا ذکر درج ذیل مقامات پر موجود ہے اور جن

مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں بیان کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت: 217 اور سورۃ المائدۃ کی آیت: 54۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے اس جگہ ہم ان میں سے صرف ایک ہی حوالے پر اکتفا کرتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾

(البقرة: 217)

''اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت ہی میں مرے گا تو اس کے سارے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔''

قرآنِ مجید کا یہ مقام اور دوسرے مذکورہ مقامات ایسے ہیں جن کو ارتداد اور مرتدین کے حوالے سے اُن احادیث سے جوڑا جا سکتا ہے جن میں مرتد کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے اور غامدی صاحب کے استاد، مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں ان قرآنی مقامات کی وضاحت میں ارتداد اور مرتدین کا ذکر کیا ہے مگر اُنہوں نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 5 میں مرتدین کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، جسے غامدی صاحب خواہ مخواہ مرتد سے متعلق حدیث کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔

(۴) کیا مرتد کے لیے قتل اسلامی سزا نہیں؟

غامدی صاحب کے موقف کا آخری نکتہ یہ ہے کہ اسلام کے حدود و تعزیرات میں مرتد کے لیے سزا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ تمام فقہائے اسلام کی مشترکہ اور متفقہ غلطی ہے کہ اُنہوں نے اسے اسلامی حدود و تعزیرات میں شامل کر رکھا ہے۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں مرتد کے لیے سزائے قتل کو احادیث صحیحہ کے نصوص، تعامل

صحابہؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور تمام فقہائے اسلام کے اجماع سے ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام کے حدود و تعزیرات میں مرتد کے لیے قتل کی سزا کا کوئی وجود نہیں ہے تو وہ اسلامی شریعت اجماع اُمت کا منکر ہے اور ایسا منکر شخص یقیناً گمراہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سلف سے خلف تک عرب و عجم کے تمام مجتہدین اور فقہائے اسلام عربیت سے نا آشنا، قرآن و حدیث کو سمجھنے سے عاری اور شریعت کے احکام سے ناواقف تھے کہ سب نے مل کر یہ غلطی کر ڈالی کہ مرتد کے لیے سزائے قتل قرار دے دی اور اسلام میں اپنی طرف سے بدعت کے طور پر ایک ایسی شرعی حد داخل کر دی جس کا اسلامی حدود و تعزیرات میں کوئی وجود نہ تھا؟ ایسی بات کہنے کی جسارت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دماغ درست نہ ہو، جس کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا نہ ہو اور جسے آخرت کا ڈر نہ ہو۔

11۔ دیت (Blood Money) کا مسئلہ

دیت کے مسئلے میں بھی غامدی صاحب اُمت مسلمہ کے متفقہ اور اجماعی موقف کے خلاف ہیں۔ علمائے اسلام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ قتل خطا کی دیت مقرر ہے جو کہ سو اونٹ یا اُس کی قیمت ہے اور یہ کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ مگر غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اسلام میں دیت کی مقدار مقرر نہیں ہے اور یہ کہ عورت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لیے تعین کیا ہے، نہ افراد کے لحاظ سے دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی۔'' ......

''عورت کی دیت، اس زمانے کے ارباب حل وعقد اگر چاہیں تو پوری مقرر کر سکتے ہیں۔''

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 213، طبع مئی 1985ء، لاہور)

لیکن غامدی صاحب کا مذکورہ موقف ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا موقف سنت اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔

اب ہم دیت کے مسئلے کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

قرآن اور مسئلۂ دیت:

جہاں تک قرآن حکیم میں قتل خطاء کی دیت کا تعلق ہے تو اس کے واجب ہونے کا ثبوت درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً

فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ؕ ﴾

(النساء:92)

''کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ اس سے چوک ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے، البتہ یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں۔''

اس آیت میں مقتول کے لیے ''مُؤۡمِنًا'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عربی زبان میں ''مومن مرد'' کے ہیں اور مومن عورت کے لیے عربی زبان میں مُؤۡمِنَةٌ کا لفظ آتا ہے جو یہاں مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا مفسرین کرام اور فقہاء اسلام نے اس جگہ بغیر کسی معنوی تاویل کے صرف ''مسلمان مرد'' مراد لیا ہے اور آیت کے الفاظ ﴿ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ ﴾ ...... (اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے۔) سے دیت کی ادائیگی کے واجب ہونے کو قرآنی حکم قرار دیا ہے۔ لیکن دیت کی مقدار کا تعین اس آیت میں نہیں کیا گیا۔ مقدار دیت ہمیں صحیح احادیث سے ملتی ہے۔

جیسا کہ ابو بکر جصاص نے ''احکام القرآن'' میں لکھا ہے کہ:

((لما لم يكن مقدار الدية مبينا في الكتاب كان فعل النبی ﷺ في ذلك وارد مورد البيان وفعله ﷺ اذا ورد مورد البيان فهو على الوجوب.))

(ج2،ص239)

''چونکہ الکتاب یعنی قرآن میں دیت کی مقدار بیان نہیں ہوئی ہے اس لیے نبی ﷺ کے عمل سے اس بارے میں وضاحت مل جاتی ہے اور نبی ﷺ کے عمل کی وضاحت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت میں صرف دیت کا واجب ہونا مراد ہے۔''

اس بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ بھی اپنی مشہور تفسیر ''تفسیر مظہری'' میں لکھتے ہیں:

''دیت کی مقدار مجمل ہے اور کس پر دیت واجب ہے، اس کا بیان بھی آیت میں نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرما دیا ہے۔''

(تفسیر مظہری، ج3، ص201، مطبوعہ دہلی)

پھر لفظ '' دِیَۃٌ '' پر بحث کرتے ہوئے امام جصاص فرماتے ہیں:

((ان دیة المرء ة لا یطلق علیها اسم الدیة وانما یناولها الاسم مقیدا الا تری انه یقال دیة المرء ة نصف الدیة واطلاق اسم الدیة انما یقع علی المتعارف المعتاد وهو کما لها.))

(احکام القرآن، جلد2، صفحہ 238)

''درحقیقت عورت کی دیت پر لفظِ دیت کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ عورت کے لیے اس لفظ کا محدود مفہوم مراد ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عورت کی دیت آدھی دیت ہے دراصل لفظ دیت کا عام استعمال صرف پوری دیت کا مفہوم لیے ہوتا ہے۔''

گویا امام جصاص کے نزدیک آیت زیرِ بحث میں صرف مسلمان مرد کی دیت مراد ہے عورت یا اس کی دیت سرے سے مذکور ہی نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ عربی زبان میں عام طور پر مذکر کے صیغے میں مؤنث بھی تغلیباً شامل ہوتی ہے لہٰذا آیتِ مذکور میں مُؤمِنًا کے لفظ میں عورت بھی داخل ہے۔ اس لیے جو دیت از روئے حدیث مقتول مسلمان مرد کی ہے وہی عورت کی بھی ہے۔ اور مقدارِ دیت کے لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ''تغلیب'' کا قاعدہ عربی زبان کا کوئی ایسا قطعی اصول نہیں ہے جس کی بناء پر ہر جگہ مذکر کے صیغے میں مؤنث کو شامل سمجھا جائے۔ خود قرآن حکیم میں بھی بہت سے ایسے نظائر ملتے ہیں جہاں قاعدۂ تغلیب باطل ہے اور مذکر کا صیغہ صرف مذکر ہی کے لیے

آیا ہے۔اس میں مؤنث ہرگز شامل نہیں ہے۔

1۔ مثال کے طور پر سورۂ نور کی آیت 33 میں ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ﴾

''اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

اس جگہ المؤمنین مذکر کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہے۔گویا مومنین سے مراد صرف ''مرد مسلمان'' ہیں اور عورتیں ان میں شامل نہیں ہیں۔اس لیے کہ بعد کی آیت: 31 میں یہی حکم مومنات (مسلمان عورتوں) کو دیا گیا ہے۔

2۔ سورۂ انفال آیت 65 میں ہے کہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ ﴾

''اے نبی! مومنوں کو جنگ پر اُبھارو۔''

سب جانتے ہیں کہ جنگ وقتال کرنا صرف مردوں پر فرض ہے،عورتوں پر فرض نہیں ہے اس لیے آیت میں مومنین کے لفظ میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

3۔ سورۂ جمعہ آیت 9 میں ہے کہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔''

اس آیت میں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ ...... (اے مومنو!) اور پھر ﴿ فَاسْعَوْا ﴾ ...... (پھر دوڑو) دونوں کا خطاب مذکر کے صیغوں یں ہے مگر ان میں مؤنث شامل نہیں ہیں کیونکہ نماز جمعہ کی فرضیت صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں ہے۔لہٰذا یہاں پر ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ اور ﴿ فَاسْعَوْا ﴾ کے مخاطب مردوں میں عورتیں شامل نہیں ہے۔

4۔ سورۂ احزاب آیت 50 میں ہے:

﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح لینا چاہے، یہ رعائت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔''

اس آیت میں بھی مومنین کے مذکر صیغے میں مؤنث شامل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہاں پرصرف عام مردوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے لیے تحدید نکاح کرنے کا حکم موجود ہے وار اس عام حکم کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بارے میں خصوصی اجازت کا اس آیت میں ذکر ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہاں پر لفظ مومنین صرف مرد مسلمان کے لیے آیا ہے اور اس میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

5۔ سورۂ احزاب آیت 36 میں ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾

''کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔''

اس آیت، میں بھی لفظ مومن سے مراد صرف مرد مسلمان ہے اور اس میں مسلمان عورت شامل نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے الگ سے مُؤْمِنَةٌ کا لفظ آیا ہے۔

6۔ سورۂ توبہ آیت 71 میں ہے کہ:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

یہاں چونکہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ میں عورتیں شامل نہ تھیں اس لیے ان کا ذکر بعد میں الگ سے کیا گیا ہے۔

7۔ سورۂ بقرہ آیت 128 میں ہے کہ:

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنا۔''

اس مقام پر بھی لفظ مسلمین (دو مسلم) مذکر کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہاں پر دعا کرنے والے صرف دو مرد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہی مراد ہیں اور کوئی عورت شامل نہیں ہے۔

⊙ قرآن مجید میں مومنوں (یا مومنین) اور مومنات یا مسلمین اور مسلمات کا یہی اسلوب کم از کم بارہ مقامات پر موجود ہے جہاں مردوں کے صیغے میں عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کے لیے الگ طور پر تذکرہ کرنا ضروری ٹھہرا ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: سورۂ فتح، آیت: 51، سورۂ نور، آیت: 12۔13، سورۂ توبہ، آیت: 72، سورۂ احزاب، آیت: 35۔ 58۔ 73، سورۂ نوح، آیت: 28، سورۂ بروج، آیت: 12، سورۂ محمد، آیت 19، نیز سورۂ حدید، آیت 12۔

مندرجہ بالا نظائر کی روشنی میں ہم اس امر کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور عربی زبان و بیان کا یہ کوئی قطعی اصول یا کلیہ نہیں ہے کہ ہر جگہ تغلیب کے تحت مردوں کے صیغے میں عورتوں کو بھی شامل سمجھا جائے۔ اگر کہیں تغلیب کے تحت ایسا ہوتا ہے کہ مذکر کے صیغے میں عورت داخل ہوتی ہے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذکر کے صیغے میں عورت شامل نہیں ہوتی اور تغلیب کا قاعدہ باطل ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت زیر بحث میں مفسرین اور فقہاء حضرات نے مُؤْمِناً کے لفظ سے صرف مسلمان مرد ہی مراد لیا ہے اور عورت کو اس میں شامل نہیں سمجھا۔ جیسا کہ احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ:

((ان اللہ تعالیٰ انما ذکر الرجل فی الأیة.))

(احکام القرآن، ج2، ص238)

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف (مسلمان) مرد کا ذکر کیا ہے (مسلمان عورت کا نہیں)۔''

تغلیب کی اس بحث کے بعد اب ہم مذکورہ آیت دیت پر غور کریں تو یہاں پر کوئی ایسا قرینہ قاطعہ موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے لفظ مُـؤْمِـنـًـا میں مرد اور عورت دونوں کو شامل سمجھا جائے۔ اب اگر ایک شخص پورے زور سے یہ کہتا ہے کہ یہاں تغلیب کے تحت مـومـنـاً میں عورت بھی داخل ہو سکتی ہے تو کوئی دوسرا شخص بھی اسی قوت سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر تغلیب کا قاعدہ سرے سے مؤثر ہی نہیں ہے اور باطل ہے اور یہاں پر لفظ مُؤْمِـنًا سے صرف اس کا لغوی مفہوم ''مسلمان مرد'' ہی مراد ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو دوسرے شخص کا مؤقف کچھ وزنی معلوم ہوگا، اس لیے کہ وہ لفظ ''مومن'' کی کوئی معنوی تاویل نہیں کر رہا ہے بلکہ اسے ٹھیک لغوی اور اصطلاحی معنوں میں لے رہا ہے۔

حدیث اور مسئلہ دیت:

حدیث کی جن معتبر کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ قتلِ خطا میں دیت کی جو روایات آئی ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں:

((ان فی النفس مائة من الابل.))

''نفس (جان) کی صورت میں (دیت) سو اونٹ ہے۔''

(مؤطا امام مالک، کتاب العقول، سنن نسائی، کتاب القسامہ، والقود والدیات)

یہاں پر لفظِ نفس استعمال ہوا ہے جس کے معنی جان کے ہیں یہ لفظ عربی زبان میں مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے بھی آتا ہے اور بعض اوقات یہ صرف مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

1۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء آیت 1 میں ہے کہ:

4۔ سورۂ قصص آیت 33 میں ہے کہ:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴾

''موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب: میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں، ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔''

اس آیت میں نفس سے مراد ایک قبطی مرد ہے جو حضرت موسیٰ کے ہاتھوں مصر میں مارا گیا تھا۔ اس امر کی تصریح خود قرآن میں دوسری جگہ (ملاحظہ ہو: القصص 15 تا 19) مذکور ہے۔

5۔ اسی طرح سورۂ توبہ آیت 41 میں ہے:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾

''نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو، اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔''

سب جانتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد وقتال صرف مردوں پر فرض ہے اور نفیرِ عام کے مخاطب صرف مرد ہیں۔ یہاں پر بھی انفس کے لفظ میں کوئی عورت شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں دو مقامات پر نفس سے بھی تعبیر کیا ہے۔

﴿ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران:28)

''اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔''

﴿ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ (الانعام:12)

''اس (اللہ) نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

ان دونوں جگہوں پر لفظ نفس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہوا ہے۔ مزید برآں لفظِ نفس کے مفہوم میں تو کافر ومشرک بھی شامل ہیں اور صحیح احادیث میں بعض خاص قسم کے کافروں کی دیت آدھی قرار دی گئی ہے۔

خود قرآن میں اسی آیت زیر بحث میں آگے ایک مومن مقتول کا کفارہ صرف ﴿ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ﴾ ...... (ایک مسلمان غلام آزاد کرنا) قرار دیا ہے۔ اس کی دیت سرے سے نہیں رکھی

صرف کفارہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾

(النساء: 92)

''پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی تھی تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔''

گویا ایسا مومن قتلِ خطا کے نتیجے میں ہلاک ہو تو از روئے قرآن و شریعت اس کی کوئی دیت ہی نہیں ہے۔ کیا حدیث کے لفظ نفس کا عمومی اطلاق اس مقتول مومن پر نہیں ہوتا۔ یقیناً نہیں ہوتا۔ ورنہ اس مقتول مومن کے لیے بھی قرآن میں دیت کا ذکر آتا جس کی مقدار حدیث نے سو اونٹ مقرر کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ حدیث کے لفظ نفس میں عموم نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں صرف مرد کی دیت بیان ہوئی ہے۔ عورت اس میں شامل نہیں ہے۔

ان مثالوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس حدیث پر دوبارہ غور کریں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((في النفس مائة من الابل.))

''جان میں دیت کی مقدار سو (100) اونٹ ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ نفس کی دیت سو (100) اونٹ ہے۔ اب اگر کوئی شخص جس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے لفظ نفس میں عورت بھی شامل ہے تو بالکل اسی طرح سے کوئی دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حدیث میں مستعمل نفس دیت میں عورت شامل نہیں ہے کیونکہ لفظِ نفس صرف مرد کے لیے بھی آتا ہے اور اس میں عورت شامل نہیں ہوتی۔

لفظِ نفس کے لغوی مفہوم اور اس کے استعمال کی اس بحث کا صریح نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عربی زبان میں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہو تو اس میں حتمی طور پر نہ تو عموم کا مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے لازماً مرد اور عورت دونوں مراد لیے جائیں اور نہ ہی حتمی طور پر صرف مرد کا خاص مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ بلکہ نفس کا لفظ اپنے اندر دونوں احتمالات رکھتا ہے۔

لہٰذا دیت کے بارے میں مذکورہ بالا حدیث میں بھی لفظ نفس مجمل ہے اور تشریح کا محتاج، اس میں جس قدر احتمال اس مطلب کا ہے کہ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں بالکل اسی قدر احتمال اس مفہوم کا بھی ہے کہ اس سے صرف مرد ہی مراد لیا جائے۔

اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ عورت کا مسئلہ دیت پر صرف قرآن مجید میں مذکور لفظ مومن یا حدیث میں مستعمل لفظ نفس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں مقامات پر ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ ایسا سمجھنا عربیت کی رو سے بالکل غلط ہوگا۔

اب ہم صحیح حدیث کی بنیاد پر یہ استدلال کریں گے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر نہیں ہے۔ بلکہ ان میں فرق موجود ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ:

((عقل المرء ة مثل عقل الرجل حتٰی یبلغ الثلث من دیتہ.))

(رواہ النسائی، دارقطنی وصححہ ابن خزیمہ)

''عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے بشرطیکہ مقدار دیت (کل دیت کے) ایک تہائی سے زیادہ۔''

(بحوالہ التاج الجامع الاصول فی احادیث رسول، مؤلفہ شیخ منصور علی ناصف ج2، ص11۔
نیز مصنف عبدالرزاق، ج79، ص296)

اس حدیث میں جراحات یعنی اعضاء کے تلف ہونے یا زخموں کی صورت میں دیت کا بیان آیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورت کی دیت جراحات میں بھی صرف اسی حد تک مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے جب مقدار دیت کل دیت (سو اونٹ) کے ایک تہائی سے متجاوز نہ ہو۔ اگر عورت کی مقدار دیت کل دیت کے ایک تہائی سے بڑھ جائے (کل دیت کا نصف وغیرہ ہو جائے) تو پھر مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں رہے گی بلکہ دونوں کی دیت میں عدم مساوات پیدا ہو جائے گی۔

اس طرح حدیث بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت جراحات میں

بھی مساوی نہیں ہے بلکہ ان میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اور جب جراحات کی دیت میں بھی مرد اور عورت کی دیت کے مابین عدم مساوات ہے تو پھر ان دونوں کی پوری دیت میں کیونکہ مساوات ہوگی؟

اب ہم امام بخاری رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر محدث محمد بن نصر مروزی (متوفی 294ھ) کی کتاب "السنة" سے ایک حوالہ پیش کریں گے۔

((حدثنا اسحاق (انباء) ابو اسامة عن محمد بن علقمة قال كتب عمر بن عبدالعزيز في الديات، فذكر في الكتاب وكانت دية المسلم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة من الابل فقومها.))

"ہم سے اسحق نے روایت کیا انہوں نے ابو اسامہ سے انہوں نے محمد بن عمرو بن علقمہ سے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دیات کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس میں یہ تحریر تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمان مرد کی دیت سو اونٹ تھے۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے شہریوں کے لیے اس مقدار کے متبادل کے طور پر ایک دینار یا بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آزاد مسلمان عورت کی دیت پچاس اونٹ تھی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اپنے زمانے میں) شہریوں کے لیے اس مقدار کے متبادل پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم دیت مقرر کی۔"

واضح رہے کہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے اس کتاب میں امام صاحب نے صرف وہ حدیثیں شامل کی ہیں جن کو "سنتِ ثابتہ" کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا عورت کی دیت کے مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے......!!

جو لوگ مرد اور عورت کی دیت میں مساوات کے قائل ہیں وہ اپنے مؤقف کی تائید کے لیے یہ صحیح حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ تتكافأ دماء هُمْ.))

''تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔''

مگر یہ حدیث تو مسلمانوں کے خون میں مساوات کو ظاہر کرتی ہے۔ مرد اور عورت کی دیت...... کا برابر ہونا اس سے کہاں ثابت ہو گیا؟ پھر امت کے تمام فقہاء، محدثین اور مفسرین نے اس حدیث کو قصاص کے ضمن میں لیا ہے اور اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص لینا ضروری ہے۔ مقتول خواہ مرد ہو یا عورت ہو یا غلام ہو ہر صورت میں خون برابر ہے اور قاتل سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ حافظ ابنِ کثیر اس حدیث کو قصاص میں برابری کے مفہوم میں لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فی کتاب عمرو بن حزم: ان الرجل یقتل بالمرء ة فی الحدیث الأخر: المسلمون تتکافاء دماء هم.)) (تفسیر ابن کثیر، ج2، ص62)

''عمرو بن حزم کے مکتوب میں لکھا ہے کہ'' عورت کے قصاص میں مرد کو بھی قتل کیا جائے گا۔'' حدیث میں بھی ہے کہ'' تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔''

خود صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے اس حدیث کو کتاب القصاص میں بیان کیا ہے اور کتاب الدیات میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین:

اسی مسئلہ دیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کا یہ قول ملتا ہے:

((عن ابراهیم النخعی عن عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب انهما قالا عقل المرء ة علی النصف من دیة الرجل فی النفس و فیما دونها.))

(سنن الکبریٰ از امام بیہقی، ج8، ص96۔ نیز کتاب الحجہ از امام محمد، ج4، ص284)

''ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کا یہ قول

ہے کہ عورت کے قتلِ نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔''

تفسیر نیشا پوری (تفسیر غرائب القرآن) میں اسی آیتِ دیت کے تحت مذکور ہے کہ:

((ان دية المرءة نصف دية الرجل باجماع المعتبرين من الصحابه.))

''عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر معتبر صحابہ کا اجماع ہے۔''

اجماعِ امت:

قتلِ خطاء میں عورت کی دیت مرد کے مقابل میں نصف ہونے پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ ابن رُشد اپنی کتاب ''بداية المجتهد'' میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کے طور پر بیان فرماتے ہیں:

1۔ **((اما دية المرءة فانهم اتفقوا على النصف من دية الرجل في النفس فقط.))** (بدایۃ المجتہد، ج2، ص315)

''باقی رہا عورت کا معاملہ تو اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔''

2۔ التشریع الجنائی میں عبدالقادر عودہ شہید لکھتے ہیں کہ عورت کی نصف دیت پر پوری امت متفق ہے۔

((ومن المتفق عليه ان دية المرءة على النصف من دية الرجل في القتل.)) (التشریع الجنائی، ج1، ص669)

''اس امر پر امت کا اتفاق رائے ہے کہ قتل (خطاء) کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔''

اب اگر اجماعِ امت بھی دین میں حجت ہے اور وہ یقیناً حجت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون میں قتلِ خطاء کی صورت میں عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔ اور اس بارے

میں غامدی صاحب کا موقف صحیح نہیں ہے۔

حاصل بحث:

حاصلِ بحث یہ ہے کہ قانون اسلامی میں قتل خطاء کی صورت میں دیت کی مقدار سو اونٹ مقرر ہے، البتہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رکھی گئی ہے۔ قرآن وسنت سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور تعامل صحابہ و اجماع امت سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا غامدی صاحب کا یہ موقف غلط ہے کہ اسلام میں اس دیت کی مقدار مقرر نہیں اور یہ کہ عورت اور مرد کی دیت برابر نہیں ہے۔ عورت پیداواری عامل یا معاشی طور پر کسی کی کفیل نہیں ہوتی۔ اس لیے بالعموم اس کی ہلاکت سے خاندان یا ورثا، کو اس قدر مالی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا جس قدر مالی نقصان ایک مرد کے مر جانے سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح وراثت میں بھی قرآن نے مرد کے مقابلے میں عورت کا حصہ نصف قرار دیا ہے۔ اور مالی معاملات میں بھی آدھی گواہی رکھی ہے۔

لیکن دین کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ طرزِ عمل ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جب تک اسے شریعت کے اوامر ونواہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے، یا اگر کوئی شرعی مسئلہ اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو تو وہ اسے تسلیم نہ کرے، ایسا کرنا ایمان کے منافی اور کفر کے مترادف ہے۔

8۔ پردے کے بارے میں مغالطہ انگیزیاں

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا کوئی ایک موقف نہیں ہے بلکہ وہ وقت اور حالات کے مطابق اپنا موقف بدلتے رہتے ہیں:

- کبھی فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے چادر، برقعے، دوپٹے اور اوڑھنی کا تعلق دورِ نبویؐ کی عرب تہذیب و تمدن سے ہے اور اسلام میں ان کے بارے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے۔
- کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت 59 ...... جس میں ازواجِ مطہرات، بناتِ نبی ﷺ اور عام مسلمان خواتین کو جلباب یعنی بڑی چادر اوڑھ کر اور اُس کا کچھ حصہ چہرے پر لٹکا کر گھر سے باہر نکلنے کا حکم ہے ...... یہ حکم ایک عارضی حکم تھا اور ایک وقتی تدبیر تھی جو مسلم خواتین کو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ اور ایذا پہنچانے سے بچانے کے لیے اختیار کی گئی تھی۔ یہ قرآن کا کوئی مستقل حکم نہیں تھا جو بعد میں آنے والی مسلمان خواتین پر بھی لاگو ہو۔
- اور کبھی کہتے ہیں کہ حجاب کا تعلق صرف ازواجِ مطہرات کے ساتھ خاص تھا۔

اس مضمون میں ہم سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں پردے کے احکام کی تفصیل بیان کریں گے اور آخر میں پردے کے بارے میں غامدی صاحب کے متلون اور متضاد موقف پر تبصرہ کریں گے۔

قرآنِ مجید میں پردے کے احکام:

عورت کے پردے کے بارے میں اکثر لوگ یہ غلط مبحث کرتے ہیں کہ وہ ستر اور حجاب

میں فرق نہیں کرتے، جب کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ عورت کا ستر یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا اپنا پورا جسم چھپائے گی جس کا کوئی حصہ بھی وہ اپنے شوہر کے سوا کسی اور کے سامنے کھول نہیں سکتی۔ ستر کا یہ پردہ ان افراد سے ہے جن کو شریعت نے مَحرم قرار دیا ہے اور ان محرم افراد کی پوری تفصیل قرآنِ مجید کی سورۂ نور کی آیت 31 میں موجود ہے اور ان میں عورت کا باپ، اس کا بیٹا، اس کا بھائی، اس کا بھانجا، اور اس کا بھتیجا وغیرہ شامل ہیں۔ ان محرم افراد سے عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کا پردہ نہیں ہے، البتہ ان کے سامنے عورت اپنے سر اور سینے کو اوڑھنی یا دوپٹہ وغیرہ سے ڈھانپے گی۔ ستر اور زینت کے بارے میں احکام سورۂ نور میں اسی طرح بیان ہوئے ہیں:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾

(النور: 27 تا 31)

"اے نبیؐ! آپ مؤمن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے سامنے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے سسر کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہر کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھائیوں

کے بیٹوں کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے لونڈی غلام کے، یا زیردست مردوں کے جو کچھ غرض نہیں رکھتے، یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

گھر میں محرم مردوں کے سامنے عورت کے لیے پردے کی یہی صورت ہے۔ مگر عورت کا حجاب اس کے ستر سے بالکل مختلف ہے اور یہ وہ پردہ ہے، جب عورت گھر سے باہر کسی ضرورت کے لیے نکلتی ہے یا گھر کے اندر غیر محرم مردوں سے سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں اسے بھی ''حجاب'' قرار دیا گیا ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾

(الاحزاب:53)

''جب تم ان (ازواجِ مطہراتؓ) سے کسی شے کا سوال کرو تو حجاب کے پیچھے سے کیا کرو۔''

اس صورت میں شریعت کے وہ احکام ہیں جو اجنبی مردوں سے عورت کے پردے سے متعلق ہیں۔ حجاب کے یہ احکام قرآنِ مجید کی سورۂ احزاب کی دو آیات (59 اور 54) میں بیان ہوئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت جلباب (یعنی بڑی چادر اوڑھے گی تاکہ اس کا پورا جسم ڈھک جائے، ایسے ہی چہرے پر بھی چادر کا ایک پلو ڈالے گی۔ اب وہ صرف اپنی آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے، باقی پورا جسم چھپائے گی۔ یہ چہرے پر نقاب کا حکم ہے، اجنبی مردوں سے عورت کا یہ پردہ ہے، جسے ''حجاب'' کہا جاتا ہے۔ اُردو زبان میں اسے ''گھونگھٹ نکالنا'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾

(الاحزاب:59)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنھیں کوئی نہ ستائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سب سے پہلے اس آیت کے اصل الفاظ پر غور کیجیے۔ اس میں یُدْنِیْنَ کا لفظ آیا، جس کا مصدر اِدناء ہے اور عربی زبان میں اس کے معنی ''قریب کرنے'' اور ''لپیٹ لینے'' کے ہیں مگر جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آجائے تو پھر اس میں اِرْخاء کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ ''اوپر سے لٹکالینا''۔ دوسرا اہم لفظ جَلَابِیْبِهِنَّ ہے۔ جَلَابِیب جمع ہے جلباب کی جس کے معنی رِداء یعنی ''بڑی چادر'' کے ہیں اور اس کے ساتھ مِنْ کا حرف آیا ہے جو یہاں تبعیض ہی کے لیے ہوسکتا ہے، یعنی چادر کا ایک حصہ۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں جب کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ لیں اور ان کا ایک حصہ یا ان کا پلو اپنے اوپر لٹکالیا کریں۔ اُردو زبان میں اسے گھونگھٹ نکالنا کہا جاتا ہے۔ اِدناء علی کے الفاظ کا استعمال عربی زبان میں اسی مفہوم کے لیے ہے۔ جب کسی عورت کے چہرے پر سے کپڑا سرک جائے تو اسے دوبارہ چہرے پر لٹکا لینے کے لیے عربی زبان میں یوں کہا جائے گا۔

((اَدْنِيْ ثَوْبَكِ عَلٰى وَجْهِكِ .))

''اپنا کپڑا اپنے چہرے پر لٹکالو۔''

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرے کے پردے اور کپڑا لٹکانے کا یہ حکم اجنبی مردوں سے متعلق ہے تو یہ مفہوم لینے کا واضح قرینہ اسی آیت کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ یعنی جب عورتیں اپنے چہرے کا پردہ کریں اور چادر اوڑھیں گی تو اجنبی لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔ اس طرح کسی بد باطن کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کو چھیڑے یا ستائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پہچانے

کی اور چھیڑنے ستانے کی صورت گھر سے باہر کے ماحول ہی میں پیش آسکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بڑی چادر لینے کی ضرورت بھی عموماً گھر سے باہر ہوسکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں کی آمد شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ گھر میں چونکہ اکثر محرم مردوں سے ہی سامنا ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے عورت کے پردے کے بارے میں الگ سے حکم موجود ہے جو سورۂ نور کی آیت 31 میں اس طرح آیا ہے: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ ...... ''اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔'' گویا گھر کے اندر عورت کو چادر پہننے کی ضرورت نہیں، صرف اوڑھنی کافی ہوسکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں سے بہت کم سامنا ہوتا ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلے گی تو بڑی چادر اوڑھے گی جس کا ایک حصہ اپنے چہرے پر بھی ڈال لے گی۔

پردہ کے سلسلہ میں تیسری اہم آیت سورۃ الاحزاب کی آیت حجاب (نمبر 53) بھی ہے جس میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ اگر کوئی غیر محرم شخص خواتین خانہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے حجاب کے پیچھے سے یہ تقاضا کرنا چاہیے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں سورۃ الاحزاب کی آیت 59 کی رو سے خواتین کو گھروں سے باہر جلباب...... یعنی ایسی بڑی چادر جو سر سے اُنھیں ڈھانپ لے اور اس میں ان کا چہرہ بھی چھپ جائے ...... اوڑھنے کا حکم ہے، وہاں سورۃ الاحزاب کی آیت 53 کی رو سے گھروں کے اندر بھی غیر محرم مردوں سے اُنھیں حجاب کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ احکام تو غیر محرم مردوں کے لیے ہیں، جہاں تک محرم مردوں کا تعلق ہے تو سورۂ نور کی آیت زینت (27) کی رُو سے عورتوں کو چند محرم مردوں کے سامنے ہی اپنی زینت دکھانے کی اجازت ہے۔

اُمت مسلمہ کے تمام جلیل القدر مفسرین نے سورۂ احزاب کی اس آیت 59 کا یہی مفہوم بیان کیا ہے:

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اسے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:

((أمر اللّٰه نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة.))

(تفسیر القرآن العظیم ج3، ص518، طبع بیروت)

''اللہ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔''

2۔ ابن جریرؒ اور ابن منذرؒ کی روایت ہے کہ محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کا مطلوب پوچھا۔ (یہ حضرت عبیدہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اُنہیں فقہ اور قضا میں قاضی شریح رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔) اُنہوں نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنی چادر اُٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

3۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر جامع البیان (ج:22/33) پر اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ ''شریف عورتیں اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھر سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں، بلکہ اُنھیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کریں۔''

4۔ امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

((فأمر اللّٰه الحرائر بالتجلبب ..... المراد يعرفن أنهن لا يزنين لأن من تستر وجهها مع أنه ليس بعورة لا يطمع فيها أنها تكشف عورتها فيعرفن أنهن مستورات لا يمكن طلب الزنا منهن.))

''اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر اوڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے

کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چاہرہ چھپائے گی، حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لے گا کہ یہ باپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔''

5۔ مشہور مفسر زمخشری، اسی آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛

((یرخینها علیهم ویغطین بها وجوههن وأعطافهن.))

(الکشاف، جلد 2، صفحہ 221)

''وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکالیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔''

6۔ علامہ نظام الدین نیشاپوریؒ اپنی تفسیر ''غرائب القرآن'' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''عورتیں اپنے چادر کا ایک حصہ لٹکالیا کریں، اس طرح عورتوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

(جلد 22، صفحہ 32)

7۔ مشہور حنفی مفسر ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ؛

((في هذه الآية دلالة أن المرأة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين وإظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن.))

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت ستر اور عفت کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں مبتلا نہ ہوں۔''

(احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 458)

8۔ علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ؛

((ومعنی ﴿ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ﴾ یرخینهن علیهن ویغطین بها وجههن وأعطافهن.))

(تفسیر نسفی، ج:3،ص:313)

''اور آیت کے الفاظ ﴿ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکالیا کریں اور اس طرح اپنے چہروں اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔''

9۔ مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت نے بصراحت چہرہ کے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ جس سے اس مضمون کی مکمل تائید ہوگئی جو اوپر حجاب کی پہلی آیت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اگر چہ فی نفسہ ستر میں داخل نہیں، مگر بوجہ خوف فتنہ کے ان کا چھپانا بھی ضروری ہے، صرف مجبوری کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔''

(معارف القرآن، جلد 4، صفحہ 234)

10۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ؛

''اللہ تعالیٰ صرف چادر لپیٹ کے زینت چھپانے ہی کا حکم نہیں دے رہا ہے بلکہ یہ بھی فرما رہا ہے کہ عورتیں چادر کا ایک حصہ اپنے اوپر سے لٹکالیا کریں۔ کوئی معقول آدمی اس ارشاد کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں لے سکتا کہ اس سے مقصود گھونگھٹ ڈالنا ہے تا کہ جسم ولباس کی زینت چھپنے کے ساتھ ساتھ چہرہ چھپ جائے۔''

(تفہیم القرآن، جلد 4، صفحہ 131)

11۔ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛

ہے، مگر اصل حکم جو عام ہے اور سب کے لیے ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام میں عورت کے چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

پردے کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف اور اس پر ہمارا تبصرہ:

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید غامدی صاحب کا موقف ''ارتقا پذیری'' کا شکار رہتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

1۔ دوپٹے سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ؛

''اصل میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کیا ہے اور اُنھیں کن حدود کا پابند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔ البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہیے۔ اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب و زینت کی نمائش نہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے، اس کے لیے دوپٹہ ہی ضروری نہیں ہے۔''

(ماہنامہ اشراق، مئی 2002ء صفحہ 47)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک مسلمان عورت کے لیے دوپٹہ یا اوڑھنی کا استعمال کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بس ایک تہذیبی شعار اور رسم و رواج ہے، جبکہ دوسری طرف قرآنِ مجید کی نص قطعی اور واضح حکم ہے کہ

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ ﴾

(النور:27)

''اور چاہیے کہ عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں (دوپٹے) ڈالے رہیں۔''

غالبًا غامدی صاحب کے ہاں قرآن سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہوگا۔

2۔ مارچ 2007ء میں ''جیو'' ٹی وی کے پروگرام ''غامدی نامہ'' میں اسلام اور پردہ کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہوا۔ اس مذاکرے کے شرکاء میں غامدی صاحب اور تین خواتین: سمیعہ راحیل قاضی، مُونا اسلم اور ایک دانشور غزالہ نثار شامل تھیں۔ اس مذاکرے میں غامدی صاحب نے پردے کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا کہ:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾

(الاحزاب:59)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنہیں کوئی نہ ستائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس فرمانِ الٰہی میں موجود شرعی حکم ایک عارضی اور ہنگامی حکم تھا اور منافقین اور یہود کی طرف سے مسلم خواتین کو چھیڑ چھاڑ اور ایذا رسانی سے بچانے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔ اس آیت کا عورت کے پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے۔ (اس مذاکرے کی سی ڈی ''اسلام میں پردہ'' کے عنوان سے موجود ہے۔)

یاد رہے کہ غامدی صاحب اس سے پہلے مرتد کے لیے قتل کی سزا، کافر اور مسلمان کی وراثت اور کفار سے جہاد وغیرہ کو بھی وقتی اور ہنگامی احکام کے شرعی احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح شریعت کے بیشتر احکام غامدی صاحب کی اس ایک ہی ''لاٹھی'' اور ''ابلیسی فارمولے'' کی زد میں آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا!!

لیکن ہم اُن کو اُن کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی کا اس بارے میں موقف پیش کیے دیتے ہیں۔ وہ سورۂ احزاب کی آیت 59 کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''اس ٹکڑے ﴿ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ

ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اوّل تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا، کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں، البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔''

(تدبر قرآن، جلد 6، صفحہ 270)

نیز اسی آیت (الاحزاب: 59) کی تفسیر میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انھیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی ''جلباب'' ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقعہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقعہ کو اس زمانہ کے دل دادگان اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآنِ مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے، جس کا انکار صرف وہی برخود لوگ کرسکتے ہیں جو خدا اور رسولؐ سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں۔''

(تدبر قرآن، جلد 6، صفحہ 269)

غامدی صاحب کے نزدیک اُمت مسلمہ کے تمام علمائے کرام تو ''خاک'' کے مرتبہ میں ہیں اور پوری اُمت میں سے صرف ان کے ممدوح دو ''علما'' ہیں جن کو وہ ''آسمان'' کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غامدی صاحب اپنی کتاب ''مقامات'' میں لکھتے ہیں کہ:

”میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امین احسن اوران کے اُستاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات، صفحہ 57، 58، مطبوعہ دسمبر 2001ء، لاہور)

لیکن عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب کا موقف نہ صرف قرآنِ مجید اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے، بلکہ اُن کے اپنے استاد کے موقف کے بھی خلاف ہے۔

تیسرا باب

فقہیات

1۔ کفار کے خلاف جہاد وقتال کا انکار

غامدی صاحب کافروں کے خلاف جہاد وقتال کے شرعی فریضے کے بھی منکر ہیں۔ اُن کے خیال میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے جو جہاد وقتال کیا تھا اس کا تعلق شریعت سے نہیں تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کفار کے خلاف جہاد وقتال کرنے اور اُن کو ذمی بنانے کا حکم عہد نبوی اور عہد صحابہ کے بعد اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''میزان'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''انہیں (نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو) قتال کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمامِ حجت سے ہے۔''

(میزان، ص264، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیر دست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔''

(میزان، ص270، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کے خلاف جو جہاد وقتال کیا وہ نعوذ باللہ ایک غیر شرعی اقدام تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اسی طرح غامدی صاحب کی رائے میں مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کفار کے خلاف جہاد کریں اور فاتح ہو کر اُن کو ذمی بنائیں۔ پھر اگر جہاد ہی جائز نہیں رہا تو مالِ غنیمت کیسے جائز رہے گا؟ وہ بھی تو غامدی صاحب کی شریعت میں حرام قرار پائے گا۔ العیاذ باللہ

اُمت مسلمہ میں سے آج تک کسی نے جہاد و قتال کے حکم اور فریضے کا کبھی انکار نہیں کیا۔ البتہ نبوت کے ایک جھوٹے مدعی مرزا غلام احمد قادیانی (ملعون) نے جو اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا کہتا تھا، انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آج غامدی صاحب امریکہ، یورپی یونین، اسرائیل اور بھارت کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد و قتال کے فریضے کا انکار کر رہے ہیں اور اسے حرام قرار دے رہے ہیں۔

دیکھیے کس قدر کتنی مشابہت پائی جاتی ہے مرزا صاحب اور غامدی صاحب کے درمیان کہ دونوں ہی بیک زبان جہاد کو حرام کہہ رہے ہیں۔

اب ہم جہاد و قتال کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلات بیان کریں گے۔

اسلام اور جہاد و قتال

تمہید:

''جہاد'' کے لفظی معنی ''انتہائی کوشش اور جد و جہد کرنے'' کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں جہاد اُس بھرپور جد و جہد کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی سربلندی کے لیے کی جائے۔

اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ وہ پوری انسانیت کے لیے امن و سکون کا پیغام ہے۔ لیکن وہ ظلم و جبر کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے۔

جہاد کی کئی قسمیں ہیں:

جہاد بالمال، جہاد بالقلم، جہاد باللسان، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔

جہاد بالمال یہ ہے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور دین کی سربلندی کے لیے اپنا مال خرچ کرے۔

جہاد بالقلم یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے دین کے غلبے کی کوشش کی جائے۔

جہاد باللسان یہ ہے کہ زبان کے ذریعے اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوتِ دین کا کام کیا جائے۔

جہاد بالنفس یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اور ان پر قابو پاتے ہوئے نفس کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت پر لگایا جائے۔

جہاد بالسیف یہ ہے کہ تلوار وغیرہ اسلحے کے ذریعے باطل اور کفر کی طاقتوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اس جہاد کو قتال بھی کہتے ہیں۔ یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔

یاد رہے کہ اُردو زبان میں جہاد کا لفظ جہاد کی تمام اقسام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور صرف قتال کے معنوں میں بھی جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے۔

جہاد و قتال اسلام میں ایک اہم اور مقدس فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ اہل اسلام کے لیے شوکت و وقار کا ذریعہ ہے اور اس کو چھوڑنے میں ذلت و نامرادی ہے۔ یہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مگر نفیر عام (خاص حالات) میں فرض عین بن جاتا ہے۔ جیسے نماز کا حکم ہے۔ جہاد کے بارے میں فقہائے اسلام کی رائے یہ ہے کہ:

((هو (الجهاد) فريضة محكمة و امرًا ماضياً الىٰ يوم القيامة))

(الفقہ الاسلامی مع ادلتہ از دکتور وھبہ زحیلی جلد 6، ص 416)

''جہاد محکم فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔''

قرآن و حدیث میں جہاد و قتال کی فرضیت اور اس کے بارے میں تفصیلی فضائل اور احکامات موجود ہیں۔ اس حوالے سے ہم سب سے پہلے قرآنی آیات درج کریں گے اور ان کے بعد احادیث بیان کی جائیں گی۔

1۔ قرآن اور جہاد و قتال:

قرآنِ مجید کفار کے خلاف جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے۔ قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ کا

ذکر 26 مقامات پر آیا ہے اور قتال کا تذکرہ 79 جگہ پر ہے۔

1۔ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ط ﴾

(البقرة:216)

''(اے مسلمانو!) تم پر قتال (جہاد) فرض کیا گیا ہے۔''

2۔ ﴿ وَ قَاتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o ﴾

(البقرة:244)

''اور (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں لڑو اور یقین رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

3۔ ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ o ﴾

(التوبة:29)

''(اے مسلمانو!) تم لڑو اُن اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخر کے دن پر۔ جو ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ وہ سچے دین کو مانتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

4۔ ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا o ﴾ (النساء:75)

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جہاد و قتال نہیں کرتے، اللہ کی راہ میں۔ اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو اللہ کے آگے فریاد کرتے ہیں کہ اے

ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس میں ظالموں کا راج ہے۔ ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی پیدا کردے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کردے۔''

5۔ ﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط ﴾

(محمد:4)

''پھر جب (اے مسلمانو!) کافروں سے تمہارا مقابلہ ہوتو ان کی گردنیں مارو۔''

6۔ ﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ط ﴾

(البقرة:190)

''اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کے راستے میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔''

7۔ ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ط وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ o ﴾

(التوبة:36)

''اور (اے مسلمانو!) تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو، جیسے وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔''

8۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ط ﴾

(التوبة:123)

''اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔''

9۔ ﴿ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ o ﴾

(التوبة:41)

''(اے مسلمانو!) تم نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

10۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ٥ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ ﴾

(التوبة:39-38)

''اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین سے چپک جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے معاملے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

11۔ ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

(الانفال:39)

''اور تم کافروں سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

12۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾

(الانفال:65)

''اے نبی! مومنین کو جہاد کا شوق دلائیں۔''

13۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾

(التوبة:73)

''اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کریں اور اُن پر سختی کریں۔''

14۔ ﴿ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(آل عمران:139)

''اور تمہی سربلند اور غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''

15۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ط ﴾

(النساء:71)

''اے ایمان والو! اپنے دفاع کی تیاری کرو۔ پھر دستے بنا کر یا اکٹھے مل کر جہاد کے لیے نکلا کرو۔''

16۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾

(محمد:7)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

17۔ ﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ط قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ ﴾

(التوبة:81)

''پیچھے رہ جانے منافقین اللہ کے رسول ﷺ سے پیچھے رہنے پر بہت خوش ہوئے اور انہیں گراں گزرا کہ وہ اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اُنہوں نے لوگوں سے کہا: ''گرمی میں نہ نکلو۔'' آپؐ اُن سے کہیں: ''دوزخ کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔'' کاش! اُنہیں سمجھ ہوتی۔''

18۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

مَّرْصُوْصٌ o ﴾

(الصف: 4)

''بے شک اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

19۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o ﴾

(الانفال: 45)

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

20۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ o يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ o ﴾

(التوبة: 20 تا 22)

''جو لوگ ایمان لائے، اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا، اُن کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اُن کا رب اُن کو خوش خبری دیتا ہے، اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسے باغوں کی جن میں اُن کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔''

21۔ ﴿ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا o ﴾

(التوبة: 74)

''اور جو اللہ کی راہ میں جہاد وقتال کرے، پھر شہید ہو جائے یا غازی ہو، تو ہم اُسے بڑا اجر دیں گے۔''

22۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

(الصف:10 تا13)

''اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں ایک دردناک عذاب سے بچالے۔تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانو۔ پھر اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا، تمھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ہمیشہ رہنے والے باغوں میں تمھیں عمدہ گھر عطا کرے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی! اور ایک اور چیز جس کی تم تمنا رکھتے ہو، وہ ہے اللہ کی مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ اور (اے نبیؐ!) آپ ایمان والوں کو خوش خبری دے دیں۔''

23۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ ﴾

(الانفال:16-15)

''اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کافروں کے لشکر سے ہو تو پیٹھ نہ دکھاؤ اور

جس نے ایسے موقع پر پیٹھ دکھائی تو اُس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ البتہ اگر پیچھے ہٹنا جنگی چال کے لیے ہو یا اپنے دوسرے لشکر سے جاملنے کے لیے ہو تو اس کی اجازت ہے۔''

24۔ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ قف ﴾

(التوبة:111)

''بے شک اللہ نے مومنوں سے اُن کے جان و مال خرید لیے ہیں کہ وہ انہیں ان کے بدلے میں جنت دے گا، وہ اللہ کی راہ میں دوسروں کو ہلاک کرتے ہیں اور خود بھی شہید ہوتے ہیں۔''

25۔ ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ٥ ﴾

(التوبة:24)

''کہہ دیجیے، اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارا وہ مال جو تم نے کمایا، تمہارا وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، (یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

درج بالا قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد و قتال کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک اندازے کے مطابق قرآنِ مجید میں تین پاروں کے حجم کے برابر ایسی آیات موجود ہیں

جن کا تعلق جہاد وقتال سے ہے۔

جہاد قرآن کی رو سے فرض ہے۔ یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ جہاد اللہ کی راہ میں اُن کافروں کے خلاف کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے ملک پر حملہ کریں یا اسلام کے لیے خطرہ بن جائیں۔ یا اسلام کی راہ میں اپنے کفر وشرک اور ظلم وستم کی وجہ سے رکاوٹ بنیں۔ غیر مسلموں کے کافرانہ اور ظالمانہ اقتدار کا خاتمہ کر کے اُن کو ذمی بنانا بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ پہلے قریب کے کفار سے نپٹا جائے گا، پھر دور والوں سے۔ یہ جہاد وقتال اُس وقت تک جاری رہے گا، جب تک دنیا میں کفر وشرک کے غلبے کا فتنہ باقی ہے۔ اگر مسلمان جہاد نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کے مستحق ہوں گے۔ جہاد ہر حال میں کیا جائے گا۔ خواہ وسائل کم ہوں یا زیادہ۔ اقدامی جہاد کے لیے چند شرائط ہیں، مگر مدافعانہ جہاد کے لیے کوئی شرط نہیں۔ وہ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ مسلمانوں کو جہاد کا شوق دلایا گیا ہے۔ وہ اپنا تحفظ اور دفاع بھی کریں گے اور میدانِ جنگ میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ثابت قدمی بھی دکھائیں گے۔ اللہ سبحانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ سچے مسلمانوں کو ہمیشہ فتح وکامرانی عطا فرمائے گا۔ جہاد سے جی چرانا منافقت کی علامت ہے۔ جو مجاہد فتح پائے وہ غازی ہے اور جو مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

2۔ احادیث اور جہاد وقتال:

نبی ﷺ نے 27 غزوات میں حصہ لے کر جہاد کیا۔ 56 سرایا بھیجے۔ ذیل میں جہاد سے متعلق احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ. قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: " اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ." قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: " حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ."))

(بخاری ومسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ پوچھا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: مقبول حج۔"

2۔ ((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ : اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ......))

(بخاری و مسلم)

"حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اُس کی راہ میں جہاد کرنا۔"

3۔ ((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَثَلُ الْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ ، لاَ یَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَلاَ صَلٰوۃٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ.))

(بخاری و مسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی مثال ایسے شخص کی ہے جو روزے رکھتا ہو، قیام کرتا ہو، قرآن کی تلاوت کرتا ہو، روزے اور (نفل) نماز میں کوتاہی نہ کرتا ہو، یہاں تک کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا مجاہد واپس لوٹ آئے۔"

4۔((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنْتَدَبَ اللّٰہُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِہٖ لاَ یُخْرِجُہٗ اِلَّا اِیْمَانٌ بِیْ وَتَصْدِیْقٌ بِرُسُلِیْ، اَنْ اَرْجِعَہٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَۃٍ ، اَوْ اُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ.))

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اُس کے راستے میں جو شخص جہاد کرے گا، اُسے صرف مجھ پر اور پیغمبروں پر ایمان کا جذبہ گھر سے نکالے گا، تو میں ایسے شخص کو ثواب یا مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لاؤں گا، یا اُسے جنت میں داخل کروں گا۔''

5۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ، وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَیْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ، لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ اُحْیٰی، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰی، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰی، ثُمَّ اُقْتَلُ.))

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے (مگر) میں اُن کے لیے سواری کا انتظام نہیں کرسکتا ...... تو میں کبھی کسی ایسے لشکر سے پیچھے نہ رہوں جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے۔ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہوں۔''

6۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ، مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ.))

(صحیح مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے نہ جہاد کیا اور نہ اُس کے دل میں جہاد کا شوق اُبھرا تو وہ منافقت کے ایک حصے پر مرا۔''

7۔ ((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ لَمْ یَغْزُ، وَلَمْ یُجَهِّزْ غَازِیًا ، اَوْ یَخْلُفْ غَازِیًا فِیْ اَهْلِهِ بِخَیْرٍ ، اَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ ..... قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ.))

(سنن ابی داؤد)

''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نہ خود جہاد کیا، نہ کسی مجاہد کو جہاد کا سامان فراہم کیا اور نہ کسی مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی، تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔''

8۔ ((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :رِبَاطُ یَوْمٍ ..... فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْهَا.))

(بخاری و مسلم)

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک دن سرحدوں پر پہرہ دینا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

9۔ ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : " لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا. "))

(بخاری و مسلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے

راستے میں ایک صبح جانا اور ایک شام جانا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اُس سے بہتر ہے۔"

10۔ ((عَنْ سُلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: رِبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَّقِيَامِهٖ، وَاِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ، وَاَمِنَ الْفَتَّانِ.))

(صحیح مسلم)

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات سرحدوں پر پہرہ دینا ایک مہینے کے روزوں اور اس (کی راتوں) کے قیام سے بہتر ہے۔ اگر وہ شخص اسی حالت میں فوت ہو جائے تو جو عمل وہ کرتا تھا، وہ برابر جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔"

11۔ ((عَنْ اَبِيْ عَبْسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَتَمَسَّهُ النَّارُ.))

(صحیح بخاری)

"حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی۔"

12۔ ((عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ.))

(بخاری ومسلم)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کروں، جب تک وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ پھر جو اس کا قائل ہو گیا تو اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو مجھ سے بچالیا، سوائے اُس کے حق کے اور اُس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔''

((نوٹ :...... بعض حالات میں صلح بھی ہو سکتی ہے اور جزیہ لے کر بھی ذمیوں کے خلاف جہاد نہیں کیا جائے گا۔))

13۔ ((عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيا فِيْ اَهْلِهٖ ..... فَقَدْ غَزَا.))

(بخاری ومسلم)

''حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ساز و سامان مہیا کیا، اُس نے بھی جہاد کیا۔ اور جس نے کسی مجاہد کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کی اُس نے بھی جہاد میں حصہ لیا۔''

14۔ ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ : عَيْنٌ بَكَتْ فِيْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.))

(ترمذی)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں رات بھر پہرہ دیتی رہی۔''

15۔ ((عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ:

اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ، فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.))

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا: ایک شخص مال غنیمت کے لیے لڑتا ہے، ایک شہرت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے اور ایک اس لیے لڑتا ہے کہ اُس کی بہادری کی نمائش ہو تو ان میں سے کوئی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اللہ کا حکم بلند ہو، صرف وہی اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہے۔''

16۔ ((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ، اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً ..... فَاِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ، لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ، وَرِيْحُهَا الْمِسْكُ. وَمَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ ..... فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاِنَّ عَلَيْهِ طَابَعَ الشُّهَدَاءِ.))

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جس کسی نے اللہ کے راستے میں اونٹنی کا دودھ دوہنے کے وقت کے برابر جہاد کیا، اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس شخص کو اللہ کی راہ میں زخم لگا، یا چوٹ لگی تو وہ زخم یا چوٹ قیامت کے دن اتنی بڑی ہوگی جتنی دنیا میں بڑی سے بڑی ہو۔ اُس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہوگا۔ اُس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ اور جس آدمی کو اللہ کی راہ میں پھوڑا نکل آیا تو

بے شک اس پر شہیدوں کا نشان ہے۔''

17۔ ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ ، وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ﴿ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحَمَّامِ: بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا حَمَلَكَ عَلٰى قَوْلِكَ: بَخٍ بَخٍ. قَالَ: لَا ، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا. قَالَ: فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا. قَالَ: فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِهٖ ، فَجَعَلَ يَاْكُلُ مِنْهُنَّ. ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِيْ اِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيْلَةٌ. قَالَ: فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ، ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ.))

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: 4915)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام روانہ ہوئے ، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اتنے میں مشرکین بھی آگئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ! اُس جنت میں جانے کے لیے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: ''واہ واہ۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: ''یہ تم نے کیوں کہا؟'' اُس نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! صرف اس اُمید پر کہ میں جنتی ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تو جنتی ہے۔'' راوی نے کہا: ''اُس شخص نے اپنے ترکش سے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگا۔ پھر کہنے لگا: اگر میں یہ کھجوریں کھاتا رہا تو زندگی لمبی ہو جائے گی۔ راوی نے کہا: پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک

دیں اور لڑ کر شہید ہو گیا۔"

18۔ ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ.))

(صحیح مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں شہید ہونا قرض کے سوا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

19۔ ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَهٗ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ ، اِلَّا الشَّهِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا ، فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَةِ.))

(بخاری ومسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص جو جنت میں جائے گا، کبھی دنیا میں واپس لوٹنا پسند نہیں کرے گا، اگرچہ اُسے روئے زمین کی ساری دولت دی جائے، لیکن شہید یہ آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جا کر دس بار شہید ہو۔ کیونکہ اُسے شہادت کا مقام و مرتبہ معلوم ہوگا۔"

20۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَا یُکْلَمُ اَحَدٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِهٖ ..... اِلَّا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَجُرْحُهٗ یَثْعَبُ ..... دَمًا، اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّیْحُ رِیْحُ الْمِسْكِ.))

(بخاری ومسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے ..... اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اُس کی راہ میں

کون زخمی ہوا...... تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا، جس کا رنگ خون جیسا ہی ہوگا، مگر خوشبو کستوری جیسی خوشبو ہوگی۔"

21۔ ((عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِیْهِمْ، فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَءَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، یُكَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ، اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَیْفَ قُلْتَ؟ فَقَالَ: اَرَءَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، اَیُكَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ، وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ، اِلَّا الدَّیْنَ، فَاِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِكَ.))

(صحیح مسلم)

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو بتایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل کام ہیں۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: "یا رسول اللہ ﷺ! آپ بتائیں اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! اگر تو اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو اور ثواب کی خاطر ایسا کرے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹے اور پھر شہید ہو جائے تو تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس آدمی سے دریافت فرمایا: "تو نے کیا پوچھا تھا؟"

وہ بولا: "اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب تو ثابت قدم ہو، ثواب کی نیت رکھے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹے۔ البتہ قرض معاف نہ ہوگا۔ مجھے جرائیل علیہ السلام نے یہی بتایا ہے۔''

22۔ ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا إِلٰى دِيْنِكُمْ.))

(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 3462)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: جب تم بیع عینہ کرو گے، بیلوں کی دُمیں تھامے کھیتی باڑی سے خوش رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، جسے اُس وقت تک تم سے نہیں ہٹائے گا، جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹو گے۔ (اور جہاد نہیں کرو گے۔)''

غور کیجیے اس حدیث میں صرف جہاد کو دین قرار دیا گیا ہے۔

23۔ ((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا ، تُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ.))

(صحیح مسلم)

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا۔ قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی خاطر جہاد کرتی رہے گی۔''

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں جہاد وقتال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد وقتال ایک فریضہ ہے۔ ایمان لانے کے بعد جہاد افضل عمل ہے۔ جہاد ایک عبادت ہے۔ مجاہد سے

فتح ونصرت اور مالِ غنیمت کا وعدہ ہے یا پھر جنت کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود جہاد کیا اور صحابہ کرام کو اس کی ترغیب فرمائی۔ جہاد سے جی چرانا منافقت ہے۔ جہاد کو چھوڑ دینے میں ذلت اور مصیبت ہے۔ ایک دن رات اسلامی سرحدوں پر پہرہ دینا، ساری دنیا کے مال و دولت سے بہتر ہے۔ راہِ جہاد میں جن قدموں پر گردوغبار پڑ جائے اُن قدموں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ''جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔''

(ابوداؤد، کتاب الجہاد)

مجاہد کے لیے ساز و سامان مہیا کرنا بھی جہاد ہے۔ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دفاعی اور جارحانہ جہاد:

لیکن اسلام اپنے دفاع کے لیے بھی مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اپنے خلاف کسی ممکنہ خطرے کے خلاف جارحانہ جہاد کا اعلان بھی کرتا ہے۔ اس بارے میں قرآن و احادیث کی تصریحات واضح ہیں۔

جب مسلمانوں کے علاقے پر کفار حملہ کر دیں تو اس صورت میں اسلام اپنے ماننے والوں کو دفاعی جہاد کرنے کا حکم دیتا ہے اور وہ اسے قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنے کا نام دیتا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں اس کی مثالیں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق ہیں۔ دفاعی جہاد کے لیے کسی قسم کی کوئی شرط نہیں۔ یہ ہر حال میں اور ہر صورت میں کیا جائے گا۔ البتہ جارحانہ جہاد کے لیے چند شرائط ہیں۔

اسی طرح اسلام اپنے خلاف دشمنوں کے ممکنہ خطرے کے پیش نظر اپنے پیروکاروں کو جارحانہ جہاد کی اجازت بھی دیتا ہے۔ سیرتِ طیبہ میں اس کی درج ذیل مثالیں موجود ہیں۔

1۔ فتح مکہ
2۔ غزوۂ حنین
3۔ غزوۂ طائف

4۔ غزوۂ تبوک

اس کے علاوہ خلافت راشدہ کے دور میں ایران اور مصر کے خلاف جنگ میں بھی جارحانہ جہاد کی مثالیں ہیں۔

انگریزوں کے ''خود کاشتہ پودے'' اور آلہ کار، نبوت کے جھوٹے مدعی مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی غامدی صاحب کی طرح جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

دراصل قادیانی تحریک انگریزوں کے اشارے پر برپا ہی اس لیے کی گئی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد و حریت ختم کر دیا جائے۔

لیکن الحمدللہ، اب غیروں کی سازشوں اور غامدی صاحب جیسے لوگوں کی مفاد پرستیوں، ہرزہ سرائیوں اور مغرب کی ہم نوائیوں کے باوجود حالات کا رُخ بدل چکا ہے۔ مسلمان مجاہدین نے جہاد کی برکت سے روس جیسی سپر پاور کا غرور خاک میں ملایا ہے، جو بیسویں صدی کا عظیم معجزہ ہے۔ اب وہ امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کو افغانستان اور عراق میں ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔

شہید کے فضائل

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

اسلام میں شہید کے لیے بڑی فضیلت ہے اور اُسے اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل ہے۔
شہید وہ شخص ہے جو دین کی سربلندی کے لیے کافروں اور اسلام کے دشمنوں سے لڑتا ہوا اپنی جان دے دیتا ہے اور اس طرح اپنے ایمان پر سچائی کی گواہی دے دیتا ہے۔

قرآن وحدیث میں شہید کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

1۔قرآن اور شہید:

قرآنِ مجید میں شہید کے لیے شُهَدَآءُ کا لفظ جمع کی صورت میں درج ذیل مقامات پر آیا ہے۔ پہلے مقام کی تصریح امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اور امام بغویؒ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں کردی ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہوجاتے ہیں۔

1۔ ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ﴾ (النساء:69)

''اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن پر اللہ نے انعام کیا۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کیسی اچھی ہے ان کی رفاقت۔''

دوسرا مقام سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 1 4 1 ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

2۔ ﴿ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ط ﴾ (آل عمران: 141)

''اور وہ (اللہ) تم میں سے کچھ کو شہید بنائے۔''

اس کی تفسیر میں بھی شُھَدَآءَ سے وہ لوگ مراد لیے گئے ہیں جو راہِ حق میں شہید ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ:

((اَیْ یُکْرِمَکُمْ بِالشَّهَادَةِ ، اَیْ لِیُقْتَلَ قَوْمٌ فَیَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ بِاَعْمَالِهِمْ.))

(تفسیر قرطبی، جلد 4، ص: 218)

''یعنی تمہیں شہادت کا اعزاز بخشے۔ کچھ لوگ شہید ہو کر اپنے اعمال کے ذریعے لوگوں پر گواہ بنیں۔''

اسی آیت کی تفسیر میں شیخ احمد مصطفیٰ مراغی لکھتے ہیں کہ:

((اَیْ وَلِیُکْرِمَ نَاسًا مِنْکُمْ بِالشَّهَادَةِ وَالْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.))

(تفسیر مراغی، جلد 4، ص: 80)

''مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں میں سے بعض کو اللہ کی راہ میں شہادت کے مرتبے پر فائز کرے۔''

اس کے علاوہ شہیدوں اور شہادت کے حوالے سے قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات دیکھیے:

3۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ ﴾

(التوبة: 111)

''بے شک اللہ نے مومنوں سے اُن کے جان و مال خرید لیے ہیں کہ وہ اُنہیں ان کے بدلے میں جنت دے گا۔ وہ اللہ کی راہ میں دوسروں کو ہلاک بھی کرتے

ہیں اور خود شہید بھی ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمے ایک پکا وعدہ ہے جو توریت، انجیل اور قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا (اے مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے، خوشیاں مناؤ اور یہی ہے سب سے بڑی کامیابی۔''

4۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ (محمد:4)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، اللہ اُن کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔''

5۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ○ ﴾ (الحج:58-59)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ پھر وہ شہید کر دیے گئے یا فوت ہوگئے، اللہ ضرور انہیں اچھا رزق دے گا۔ بے شک اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ اُن کو ایسا ٹھکانہ دے گا، جسے وہ پسند کریں گے۔ بے شک اللہ جاننے والا اور تحمل والا ہے۔''

6۔ ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (البقرة:154)

''اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں مگر تمہیں اُن کی زندگی کی خبر نہیں۔''

7۔ ﴿ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ ﴾ (النساء:74)

''اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر شہید ہو جائے یا غازی، تو ہم اُسے بڑا اجر

دیں گے۔''

8۔ ﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ ﴾

(آل عمران:154)

''پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی، اپنا گھر بار چھوڑا، جو میری راہ میں ستائے گئے، جنہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوئے، میں ضرور اُن کی خطائیں اُن سے دور کروں گا اور اُنہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا، جن میں نہریں جاری ہوں گی اور یہ سب اللہ کی طرف سے اُنہیں اجر ملے گا۔ اور بہترین اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

9۔ ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران:169-170)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، اُنہیں مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور اُنہیں روزی ملتی ہے۔ وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے اُن پر فضل فرمایا۔ اور جو لوگ اُن کے پیچھے دنیا میں ہیں اور ابھی تک اُن سے نہیں ملے، اُن کے بارے میں بھی یہ خیال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے لیے بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

10۔ ﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○ ﴾

(آل عمران:157-158)

''اور اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا وفات پاؤ، دونوں صورتوں میں تمہیں اللہ

کی طرف سے جو بخشش اور رحمت نصیب ہوگی، وہ اس مال و دولت سے بہتر ہے، جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم وفات پاؤ یا شہید ہو جاؤ، ہر حال میں اللہ ہی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

11۔ ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ○ ﴾

(النساء:69-70)

''اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہ آخرت میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسی اچھی ہے ان کی رفاقت! یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کا علم کافی ہے۔''

12۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران:139-140)

''اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو، بلکہ تمہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ۔ اگر تم نے چوٹ کھائی ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے تمہارا دشمن بھی اسی طرح کی چوٹ کھا چکا ہے۔ اور ہم ایسے واقعات کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی، تا کہ اللہ سچے اور مخلص مسلمانوں کی پہچان کرا دے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنا دے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا...... اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ لے اور ان کے ہاتھوں

کافروں کا زور توڑ دے۔"

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں شہید کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ:

1۔ شہید کو قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کی صف میں جگہ ملے گی۔ اور اُن کی معیت نصیب ہوگی۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اُن اہل ایمان کے جان و مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کر کے غازی بن جاتے ہیں یا شہید ہو جاتے ہیں۔

3۔ آخرت میں شہید کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ اُن کو خاص رزق عطا ہوگا۔

4۔ جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اُسے مردہ نہ کہا جائے، بلکہ اُسے شہید کہا جائے۔

5۔ مجاہد غازی ہو یا شہید دونوں صورتوں میں بڑے اجر کا مستحق ہے۔

6۔ شہید کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور وہ جنت کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

2۔احادیث اور شہید:

قرآنی آیات کے بعد اب ہم چند ایسی احادیث درج کریں گے، جن میں شہید کے فضائل و درجات بیان کیے گئے ہیں:

1۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ، وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ ، لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، ثُمَّ اُحْيٰى ، ثُمَّ اُقْتَلُ ، ثُمَّ اُحْيٰى ، ثُمَّ اُقْتَلُ ، ثُمَّ اُحْيٰى ، ثُمَّ اُقْتَلُ.))

(بخاری و مسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے، مگر میں اُن کے لیے

سواری کا بندوبست نہیں کر پاتا، تو میں کبھی ایسے لشکر کے پیچھے نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتا۔ اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔''

2۔ ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا مِنْ اَحَدٍ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ، يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا ، فَيُقْتَلُ عَشْرَ مَرَّاتٍ ، لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ.))

(بخاری ومسلم)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص جو جنت میں چلا گیا کبھی واپس دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرے گا، اگرچہ اُسے روئے زمین کی تمام دولت دے دی جائے، مگر شہید یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار شہید کیا جائے، کیونکہ اُسے شہادت کا مقام ومرتبہ معلوم ہو چکا ہوگا۔''

3۔ ((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عُمَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ يَقْبِضُهَا رَبُّهَا ، تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْكُمْ ، وَاَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ، غَيْرُ الشَّهِيْدِ ..... قَالَ ابْنُ اَبِيْ عُمَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَاَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ اَهْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ .....))

(سنن نسائی)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ''سوائے شہید کے کوئی مسلمان جس کی رب نے جان قبض کی ہوگی تمہاری طرف واپس آنا پسند نہ کرے گا، اگرچہ اُسے دنیا بھر کا مال و دولت دے دیا جائے۔'' ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ کی راہ میں شہید ہونا اس سے زیادہ پسند ہے کہ مجھے خیموں اور عمارتوں میں رہنے والوں کا مالک بنا دیا جائے۔''

4۔ ((عَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ ، قَالَتْ: حَدَّثَنَا عَمِّيْ ، قَالَ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَنْ فِي الْجَنَّةِ؟ قَالَ: اَلنَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ ، وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ ، وَالْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ.))

(سنن ابی داؤد)

''حضرت حسناء بنت معاویہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ مجھے میرے چچا نے بتایا کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا، جنت میں کون جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نبی جنت میں، شہید جنت میں، بچے جنت میں اور زندہ درگور کیے گئے بچے جنت میں جائیں گے۔''

5۔ ((عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : " اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ. " فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ فَقَالَ: يَا اَبَا مُوْسٰى! اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ هٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. فَرَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ ، فَقَالَ: اَقْرَءُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ، ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهٖ، فَاَلْقَاهُ ، ثُمَّ مَشٰى بِسَيْفِهٖ اِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ.))

(صحیح مسلم)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔'' یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا جو پراگندہ حال تھا۔ اُس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے

پوچھا: اے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے خود سنا ہے؟ اُس نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' (یہ سن کر) وہ اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اور اُن کو سلام کیا۔ اس کے بعد اُس نے تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کی طرف گیا۔ پھر تلوار چلاتے چلاتے شہید ہو گیا۔''

6۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلشَّهِيْدُ لاَ يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلاَّ كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ)) (ترمذی، نسائی، دارمی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو شہید ہوتے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے، جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔''

7۔ ((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ كَرِبَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهٗ فِی اَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَيُرٰی مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ، وَيُوْضَعُ عَلٰی رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ، اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، وَيُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ، وَيُشَفَّعُ فِیْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ.)) (ترمذی، ابن ماجہ)

''حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے چھ انعامات ہیں:

(1) اُس کے جسم سے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

(2) اُسے جنت میں اُس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔

(3) وہ قبر کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور اُسے قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے امن حاصل ہوتا ہے۔

(4) اُس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا بھر سے زیادہ قیمتی ہے۔
(5) اُس کا نکاح بہتر (72) حوروں سے کیا جاتا ہے۔
(6) وہ اپنے ستر (70) رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔"

8۔ ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ ، وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ﴿ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ. ﴾ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحَمَّامِ: بَخٍ بَخٍ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ: بَخٍ بَخٍ. قَالَ: لَا ، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا. قَالَ: فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا. قَالَ: فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرْنِهٖ ، فَجَعَلَ يَاْكُلُ مِنْهُنَّ. ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِيْ اِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيْلَةٌ. قَالَ: فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ، ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ.)) (صحیح مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے ، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اتنے میں مشرکین بھی آ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"کھڑے ہو جاؤ! اُس جنت میں جانے کے لیے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: "واہ واہ۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: "یہ تم نے کیوں کہا؟" اُس نے جواب دیا: "اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! صرف اس اُمید پر کہ میں جنتی ہو جاؤں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک تو جنتی ہے۔" راوی نے کہا: "اُس شخص نے اپنے ترکش سے

چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگا۔ پھر کہنے لگا: اگر میں یہ کھجوریں کھاتا رہا تو زندگی لمبی ہو جائے گی۔ راوی نے کہا: پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑ کر شہید ہو گیا۔''

9۔ ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُكَفِّرُ كُلَّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ.)) (صحیح مسلم)

'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں شہید ہونا قرض کے سوا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

10۔ ((عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِیْهِمْ، فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَءَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، یُكَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

نَعَمْ، اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ.

ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَیْفَ قُلْتَ؟

فَقَالَ: اَرَءَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، اَیُكَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ، وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ، اِلَّا الدَّیْنَ، فَاِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِكَ.)) (صحیح مسلم)

'' حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو بتایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل کام ہیں۔

یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ بتائیں اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اگر تو اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو اور ثواب

کی خاطر ایسا کرے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹے اور پھر شہید ہو جائے تو تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس آدمی سے دریافت فرمایا: ''تو نے کیا پوچھا تھا؟''

وہ بولا: ''اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب تو ثابت قدم ہو، ثواب کی نیت رکھے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹے۔ البتہ قرض معاف نہ ہوگا۔ مجھے جرائیل علیہ السلام نے یہی بتایا ہے۔''

11۔ ((عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: سَاَلْنَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ، عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾

قَالَ: اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ.

فَقَالَ: اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَآءَتْ، ثُمَّ تَاْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ، فَاطَّلَعَ اِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا؟ قَالُوْا: اَیَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا. فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّهُمْ لَنْ يُّتْرَكُوْا مِنْ اَنْ يَّسْاَلُوْا ..... قَالُوْا: يَا رَبِّ! نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى، فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا.))

(صحیح مسلم)

''مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس

آیت کے بارے میں دریافت کیا کہ:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران:169)

''اور جولوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں اُن کو مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں روزی ملتی ہے۔''

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں ہیں۔ جن کے لیے عرش کے پاس فانوس لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ پھر واپس ان فانوسوں میں آ کر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کا رب اُن سے پوچھتا ہے، تمہیں اور کچھ چاہیے؟ وہ جواب دیتے ہیں: ہمیں اور کیا چاہیے۔ ہم جنت میں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے تین بار پوچھتا ہے اور ہر بار وہ یہی جواب دیتے ہیں۔ جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان سے مزید پوچھا جاتا رہے گا تو عرض کرتے ہیں:

اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دے، تا کہ ہم تیری راہ میں ایک دفعہ پھر شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے یہ اقرار لے لیتا ہے کہ اُنہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔''

12۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اُس رات کو دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر ایک درخت پر چڑھ گئے۔ پھر وہ مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو اتنا خوب صورت اور عمدہ تھا کہ اُس جیسا مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دونوں بولے:

((هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ)) ''یہ مکان شہیدوں کا گھر ہے۔''

(صحیح بخاری، حدیث نمبر:1386)

13۔ ((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: اَنَّ اُمَّ الرَّبِيْعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ ..... وَهِيَ اُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ ..... اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! اَلاَ تُحَدِّثُنِيْ عَنْ حَارِثَةَ؟ وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ، اَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَاِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَاِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ. قَالَ: يَا اُمَّ حَارِثَةَ! اِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰى.)) (صحیح بخاری، حدیث نمبر:2809)

''حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اُمّ ربیع بنت براء رضی اللہ عنہا جو کہ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ مجھے حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟ (کہ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ حارثہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں ایک اندھا تیر لگنے سے شہید ہوئے تھے۔) اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرلوں اور اگر کہیں اور ہے تو میں اُسے خوب رولوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حارثہ کی ماں! جنت میں بہت سے درجے ہیں۔ تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔''

14۔ ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَضْحَكُ اللّٰهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ كِلاَهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ. قَالُوْا: وَكَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يُقْتَلُ هٰذَا فَيَلِجُ الْجَنَّةَ. ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْاٰخَرِ فَيَهْدِيْهِ اِلَى الْاِسْلاَمِ، ثُمَّ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ.))

(صحیح بخاری، حدیث نمبر:2826، صحیح مسلم، حدیث نمبر:4892، 4894، سنن نسائی، موطا امام مالکؒ، السنن الکبریٰ،

بیہقی، مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر: 3807)

"اللہ تعالیٰ کو ان دو آدمیوں پر ہنسی آئے گی جن میں سے ایک نے دوسرے کو شہید کیا ہوگا، مگر دونوں جنت میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی شہید ہوگا وہ تو جنت میں جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے شہید کرنے والے کو توبہ کی توفیق دے گا، پھر اُسے اسلام کی ہدایت دے گا، پھر وہ بھی مسلمان ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگا۔ (وہ بھی جنت میں جائے گا۔)"

15۔ ((عَنِ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيْدِ فَقَالَ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اُقَاتِلُ اَوْ اُسْلِمُ؟

قَالَ: اَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ.

فَاَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

عَمِلَ قَلِيْلًا وَاُجِرَ كَثِيْرًا.)) (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2808)

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لوہے کی (جنگی) ٹوپی پہن کر آیا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! میں قتال کروں یا اسلام لاؤں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

اسلام لاؤ، پھر قتال کرو۔

چنانچہ وہ آدمی ایمان لایا اور پھر اسی وقت جہاد میں لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پا گیا۔"

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں شہید کا مقام و مرتبہ یوں واضح ہو جاتا ہے کہ:

1۔ خود نبی ﷺ نے بار بار شہید ہونے کی تمنا کی ہے۔

2۔ شہید جنت میں جانے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے گا، تاکہ وہ دوبارہ شہید ہوکر جنت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرے۔
3۔ شہادت کا درجہ دنیا بھر کے مال و دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔
4۔ شہید کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔شہادت کا صلہ جنت ہے۔
5۔ شہادت کے وقت شہید کو اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی، جتنی تکلیف ایک چیونٹی کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔
6۔ شہید کو قبر ہی میں اُس کا جنت میں ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔
7۔ شہید قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔
8۔ شہید قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۔
9۔ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔
10۔ شہید کو آخرت میں عزت و وقار کا تاج پہنایا جائے گا۔

جب قرآن و حدیث میں جہاد و قتال اور شہادت کے بارے میں اس قدر نصوص اور واضح احکام موجود ہیں اور ان پر نبی ﷺ نے، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین نے، اور اُس کے بعد سے لے کر آج تک اہل اسلام نے ہر دور میں عمل کیا ہے تو غامدی صاحب کس منہ سے جہاد جیسے واضح اور منصوص حکم کا انکار کرسکتے ہیں اور جب وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو کیوں نہ اُن کو بھی مرزا قادیانی کی طرح دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے؟

طرح کی بے شمار دوسری چیزوں میں سنت کو مستقل بالذات شارع مان کر ہی دین میں شامل قرار دیتا ہوں۔''

(جاوید غامدی صاحب کا خط بنام جناب شیر محمد اختر صاحب، بحوالہ ماہنامہ اشراق، شمارہ جون 1991ء، ص 32)

اس کے بعد جب مئی 1998ء میں غامدی صاحب نے چالیس (40) اُمور پر مشتمل سنت اور دین کی ایک مکمل اور جامع فہرست جاری فرمائی تو اس میں داڑھی کی سنت کو شامل نہیں کیا اور اسے اس فہرست سے غائب کر دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ لکھا ہے کہ:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے ماننے والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے وہ یہ ہے:

(1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے مواقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھینک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں میں اقامت۔ (5) جانوروں کا تذکیہ۔ (6) نکاح۔ (7) نکاح کا خطبہ۔ (8) مونچھیں پست رکھنا۔ (9) زیر ناف کے بال مونڈنا۔ (10) بغل کے بال صاف کرنا۔ (11) لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ (12) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ (13) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (14) استنجا۔ (15) غسلِ جنابت۔ (16) میت کا غسل۔ (17) تجہیز و تکفین۔ (18) تدفین۔ (19) وضو۔ (20) تیمّم۔ (21) اذان۔ (22) اقامت۔ (23) نماز کے لیے مساجد کا اہتمام۔ (24) شب و روز کی پانچ لازمی نمازیں۔ (25) نمازِ جمعہ۔ (26) نمازِ عیدین۔ (27) نمازِ جنازہ۔ (28) روزہ۔ (29) اعتکاف۔ (30) عید الفطر۔ (31) صدقہ، عید الفطر۔ (32) زکوٰۃ۔ (33) ہدی۔

(34) طواف۔ (35) حرمین شریفین کی حرمت۔ (36) اشہر حرم۔ (37) حج و عمرہ۔ (38) عید الاضحیٰ۔ (39) عید الاضحیٰ کی قربانی۔ (40) ایامِ تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیریں۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی، اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں، اُمت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔''

(ماہنامہ اشراق، شمارہ مئی 1998، ص35)

اس کے بعد اپریل 2002ء میں غامدی صاحب نے چالیس (40) سنتوں کے اس دین کو صرف ستائیس (27) سنتوں میں تبدیل کر کے اسی دین کا ایک نیا ایڈیشن تیار کر لیا۔

سُنتیں جب گھٹ گئیں تو دین کامل ہو گیا
غامدی کو گوہر مقصود حاصل ہو گیا

چنانچہ سنتوں کی ایک اور فہرست جاری فرماتے ہوئے لکھا:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے ماننے والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے:

(1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے مواقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھینک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں میں اقامت۔ (5) مونچھیں پست رکھنا۔ (6) زیر ناف کے بال مونڈنا۔ (7) بغل کے بال صاف کرنا۔ (8) لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ (9) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ (10) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (11) استنجا۔ (12) حیض و نفاس میں

زن و شوہر کے تعلق سے اجتناب۔ (13) حیض و نفاس کے بعد غسل۔ (14) غسلِ جنابت۔ (15) میت کا غسل ۔ (16) تجہیز و تکفین ۔ (17) تدفین۔ (18) عید الفطر ۔ (19) عید الاضحیٰ۔ (20) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔ (21) نکاح وطلاق اوران کے متعلقات ۔ (22) زکوٰۃ اور اس کے متعلقات ۔ (23) نماز اور اس کے متعلقات ۔ (24) روزہ اور صدقہ فطر۔ (25) اعتکاف۔ (26) قربانی۔ (27) حج وعمرہ اوران کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

(میزان، ص10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

سنت کی اس ترمیم شدہ فہرست پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے داڑھی حسب معمول غائب ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تیرہ (13) اُمور کوسنت سے خارج کر دیا گیا ہے جن میں وضو، تیمم، حرمین شریفین کی حرمت، ہدی، طلاق، اشہرحرم، نمازِ عیدین، نمازِ جنازہ، نمازِ جمعہ، نماز کے لیے مساجد کا اہتمام وغیرہ شامل ہیں۔

پھر اس کے بعد زمانے نے ایک اور کروٹ کی تو غامدی صاحب نے بھی فروری 2005ء میں سنت کی مزید ترمیم شدہ فہرست جاری کرتے ہوئے لکھا:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے ماننے والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے وہ یہ ہے:

عبادات:

(1) نماز۔ (2) زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔ (3) روزہ و اعتکاف۔ (4) حج وعمرہ۔ (5) قربانی اور ایامِ تشریق کی تکبیر۔

معاشرت:

(1) نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات۔ (2) حیض ونفاس میں زن وشوہر کے تعلق سے اجتناب۔

خورد و نوش:

(1) سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ (2) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم و آداب:

(1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے مواقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھینک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں میں اقامت۔ (5) مونچھیں پست رکھنا۔ (6) زیر ناف کے بال مونڈنا۔ (7) بغل کے بال صاف کرنا۔ (8) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ (9) لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ (10) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (11) استنجا۔ (12) حیض ونفاس کے بعد غسل۔ (13) غسلِ جنابت۔ (14) میت کا غسل۔ (15) تجہیز وتکفین۔ (16) تدفین۔ (17) عید الفطر۔ (18) عید الاضحیٰ۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

(اصول ومبادی، ص10، 11، طبع فروری 2005ء)

اب ہم سنت کی اس مزید ترمیم شدہ تیسری فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ اس میں:

1۔ خورد ونوش کے تحت "سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت" کے عنوان سے ایک نئی سنت کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن سنت کی

ستائیس (27) کی تعداد کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ترکیب کی گئی ہے کہ "اعتکاف" کی الگ سنت کو روزے کی سنت کے ساتھ ملا دیا گیا تا کہ گنتی کا میزانیہ (Total) پورا رہے اور کسی ممکنہ اعتراض سے بچا جا سکے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

2۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں "روزہ اور صدقہ فطر" ایک سنت تھی۔ تیسری ترمیم شدہ فہرست میں "روزہ اور اعتکاف" ایک سنت قرار پائی۔

3۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں زکوٰۃ کی سنت کے ساتھ صدقہ فطر کی سنت شامل نہ تھی بلکہ وہ اس سے الگ ایک سنت تھی مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں زکوٰۃ کی سنت کے ساتھ صدقہ فطر کی سنت کو ملا کر دو سنتوں کی ایک سنت بن گئی۔

4۔ دوسری ترمیم شدہ سنت میں نماز کی سنت کے ساتھ اس کے متعلقات بھی شامل تھے مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں نماز کی سنت سے اس کے متعلقات غائب کر دیے گئے۔

5۔ دوسری ترمیم شدہ سنت میں حج وعمرہ کی سنت کے ساتھ اُن کے متعلقات بھی شامل تھے مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں حج وعمرہ کے متعلقات حذف کر دیے گئے۔

6۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں اعتکاف ایک مستقل سنت تھی جسے تیسری ترمیم شدہ فہرست میں روزے کے ساتھ شامل کر کے "روزہ واعتکاف" کی ایک ہی سنت بنالی گئی، اس طرح گویا اب اعتکاف نصف سنت قرار پائی جو پہلے پوری سنت تھی۔

7۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں قربانی ایک مستقل اور الگ سنت تھی مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں اُس کے ساتھ "ایام تشریق کی تکبیر" نامی سنت شامل کر کے اُسے ایک ہی سنت بنالیا گیا۔

یاد رہے کہ "ایام تشریف کی تکبیروں" والی سنت مئی 1998ء کی پہلی فہرست میں موجود تھی جو اپریل 2002ء کی فہرست سے خارج کر دی گئی اور پھر 2005ء کی فہرست میں اُسے

دوبارہ شامل کرلیا گیا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ غامدی صاحب نے سنت اور دین کو بازیچۂ اطفال سمجھ رکھا ہے جس میں وہ اپنے من مانے طریقے سے حسب خواہش ردّ و بدل کرتے رہتے ہیں، اور اس شریعت سازی کے نتیجے میں ان کے ہاں کھلے تضادات جنم لیتے ہیں۔

2۔ حدیث پر غور کرنے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں ''اُصول سازی'' اور ''اُصول شکنی'' عام ہے۔ وہ دوسروں کو جن اُصولوں کا پابند کرتے ہیں خود اُن اُصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔ بلکہ جو اُصول وہ اپنے لیے بھی بناتے ہیں خود ان پر بھی کاربند نہیں ہوتے۔

احادیث پر بحث و استدلال کرنے کے لیے اُنہوں نے ایک اُصول بیان کیا ہے کہ اس باب کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر کوئی رائے قائم کرنی چاہیے مگر مرتد کی سزا کے بارے میں انہوں نے خود اس اُصول کی پابندی نہیں کی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس باب کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اسی باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔'' (میزان، ص73، طبع دوم، اپریل2002ء)
>
> (اصول ومبادی، ص72، طبع فروری2005ء)

مگر جب مرتد کی سزا کا معاملہ آیا تو اس پر بحث و استدلال کرتے وقت انہوں نے اس باپ کی کئی احادیث چھوڑ کر صرف ایک حدیث کو لے کر اپنی غلط رائے قائم کر لی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ محض ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے:
> ((من بدّل دينه فاقتلوه)) ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو۔'' ہمارے فقہاء اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان

کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے۔ ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رُو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔''

(برہان، ص139، طبع چہارم، جون2006ء)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

''لیکن فقہا کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف اُنہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں اُمیین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔''

(برہان، ص140، طبع چہارم، جون2006ء)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

''ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے قرآن وسنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کے بجائے اسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود وتعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔''

(برہان، ص143، طبع چہارم، جون2006ء)

دیکھیے، مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب صرف ایک حدیث کو مدار بنا کر اس معاملے میں بحث واستدلال فرما رہے ہیں (اور وہ بھی لغت عرب کے خلاف معنی لے رہے ہیں) اور اس باب کی درج ذیل احادیث سے اُنہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

1۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((عن عبداللّٰہ قال: قال رسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلم : لا یحل دم امریءٍ مسلم یشھد أن لا الٰہ إلَّا اللّٰہ ، وانّی رسول اللّٰہ الّا باحدی ثلاث: النفس بالنفس ، والثیب الزانی ، والمفارق لدینہ التارك للجماعة.)) (صحیح بخاری،رقم:2878)

''حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ماسوائے تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسری یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔''

یہی حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور مسند احمد میں بھی موجود ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

2۔ دوسری حدیث جس سے غامدی صاحب نے مرتد کے مسئلے میں چشم پوشی کی ہے وہ سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ:

((عن ابی امامة بن سھل قال: کنا مع عثمان وھو محصور فی الدار، وکان فی الدار مدخل من دخلہ سمع کلام من علی البلاط، فدخلہ عثمان، فخرج الینا وھو متغیر لونہ ، فقال: انھم لیتوا عدوننی بالقتل أنفاً، قال: قلنا یکفیکھم اللّٰہ یا امیر المؤمنین! قال: ولم یقتلوننی؟ سمعت رسول اللّٰہ یقول: لا یحل دم امریءٍ مسلم الاّ باحدی ثلاث: کفر بعد إسلام، أو زنا بعد احصان، أو قتل نفس بغیر نفس، فواللّٰہ ما زنیت فی جاھلیة ولا فی إسلام قط، ولا احببت أنّ لی بدینی بدلا منذ ھدانی اللّٰہ،

و لا قتلت نفسا فبم یقتلوننی؟))

(سنن ابی داود، کتاب الدیات، حدیث نمبر 4502)

''حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ اس گھر کا ایک راستہ تھا جس کے اندر کھڑا آدمی گھر کی بالکونی پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سے سن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے۔ ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلے اور فرمایا: ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ان کے مقابلے میں اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ پھر فرمایا: یہ لوگ مجھے کیوں قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، سوائے اسکے کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے۔ (مرتد ہو جائے) یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناحق قتل کر دے۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنا دین بدلنا کبھی پسند نہیں کیا جب سے اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں نے کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کیا۔ پھر یہ لوگ کس بنا پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟''

اس طرح غامدی صاحب اپنے مسلمہ اُصولوں کی خود ہی دھجیاں بکھیرتے ہیں اور فکری تضادات کا شکار ہوتے ہیں۔ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

3۔ کیا امام زہریؒ غیر ثقہ راوی ہیں؟

غامدی صاحب کے تضادات میں سے ایک تضاد یہ ہے کہ وہ مشہور محدث اور فقیہ امام ابن شہاب زہریؒ کو غیر ثقہ اور نا قابل اعتبار راوی بھی قرار دیتے ہیں مگر پھر اُنھی کی روایت کردہ احادیث سے استدلال بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ غامدی صاحب نے صحاح کی مشہور حدیث ''سبعہ حرف'' پر بحث کرتے ہوئے اُس کے ایک راوی امام زہریؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''اُن (امام زہریؒ) کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔'' (میزان، ص 31، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس مقام پر غامدی صاحب نے امام زہریؒ کو غیر ثقہ اور نا قابل اعتبار راوی قرار دیا ہے اور اُن کی کوئی روایت قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ حالاں کہ امام ابن شہاب زہریؒ کو محدثین، فقہاء اور ائمہ جرح وتعدیل نے ثقہ بلکہ اوثق اور قابل اعتبار راوی قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب'' (جلد 2، ص 207) میں، امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (جلد 4، ص 40) میں اور امام ابن حبان نے ''کتاب الثقات'' (جلد 3، ص 4) میں اُن کو ثقہ اور قابل اعتبار راوی تسلیم کیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اپنی جس کتاب ''میزان'' میں امام زہریؒ کو غیر ثقہ اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اُسی کتاب کے تقریباً ہر باب میں اُن کی درجنوں مرویات کو صحیح مان کر اُن سے اپنے حق میں استدلال بھی کیا ہے۔

مثال کے طور پر اپنی کتاب ''میزان'' کے درج ذیل مقامات پر غامدی صاحب نے امام زہریؒ ہی کی روایت کردہ احادیث سے استدلال کیا ہے:

1۔ ص 171 پر کافر اور مسلم کی وراثت سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6764

2۔ ص 254 پر قانون جہاد سے متعلق اجر وثواب کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث نمبر 2787

3۔ ص 297 پر حدود و تعزیرات میں قتل خطا سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1499

4۔ ص 337 پر قسم اور کفارہ سے متعلق ابو داؤد کی حدیث نمبر 3290

اس طرح غامدی صاحب کے ہاں یہ کھلا تضاد پایا جاتا ہے کہ وہ امام زہریؒ کو ایک جگہ غیر ثقہ اور غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور دوسری جگہوں پر اُن کو ثقہ اور معتبر قرار دے کر اُن کی روایت کردہ احادیث سے استدلال بھی کرتے ہیں تو کیا یہ اُصول پرستی ہے یا خواہش پرستی؟

4۔ قرآن وسنت کے مقدم ومؤخر ہونے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں یہ بھی کھلا تضاد موجود ہے کہ وہ کبھی قرآن کو سنت پر مقدم مانتے ہیں اور کبھی سنت کو قرآن سے مقدم قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ ایک جگہ قرآن کو ہر چیز پر مقدم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر شخص پابند ہے کہ اس (قرآن) پر کسی چیز کو مقدم نہ ٹھہرائے۔''

(میزان ص23، طبع دوم اپریل 2002ء)

پھر اسی کتاب ''میزان'' میں آگے چل کر سنت کو قرآن سے مقدم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔''

(میزان ص52، طبع دوم اپریل 2002ء)

ہم جانتے ہیں کہ غامدی صاحب نے ان دونوں مقامات پر حرف ''پر'' اور حرف ''سے'' کا مغالطہ دیا ہے مگر یہ مغالطہ اس وقت مغالطہ نہیں رہتا بلکہ ایک کھلا تضاد بن کر سامنے آتا ہے جب اسے اُردو زبان کے درج ذیل دو جملوں کی روشنی میں دیکھا جائے:

1۔ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو مقدم نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

2۔ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ سے مقدم ہیں۔

کیا کوئی آدمی جو اُردو زبان جانتا ہے مذکورہ دونوں فقروں میں کھلا تضاد نہیں پائے گا؟

(17) تدفین۔ (18) عید الفطر۔ (19) عید الاضحیٰ۔ (20) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔ (21) نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات۔ (22) زکوۃ اور اس کے متعلقات۔ (23) نماز اور اس کے متعلقات۔ (24) روزہ اور صدقہ فطر۔ (25) اعتکاف۔ (26) قربانی۔ (27) حج وعمرہ اور ان کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔" (میزان ص10، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس مقام پر غامدی صاحب نے نماز، روزے اور زکوۃ کو (سنت نمبر 22، 23، 24) بھی سنت شمار کیا ہے مگر اور جگہوں پر نماز، روزے اور زکوۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ نماز کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

1۔ "نماز مسلمانوں پر شب وروز میں پانچ وقت فرض کی گئی ہے۔"

(قانون عبادت، ص63، طبع اپریل 2005ء)

2۔ اسی طرح روزے کو پہلے سنت قرار دینے کے بعد فرض قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ خاص کیا گیا ہے، اس لیے جو شخص اس مہینے میں موجود ہو، اس پر فرض ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔"

(قانون عبادت، ص139، طبع اپریل 2005ء)

3۔ غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" میں قانونِ معیشت کے تحت یہ عنوان قائم کیا ہے کہ:

"زکوۃ کی فرضیت۔" (میزان، ص137، طبع دوم اپریل 2002ء)

غامدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"یہ (زکوۃ) پہلے سے موجود ایک سنت تھی جسے قرآن نے زندہ کیا اور نبی ﷺ نے خدا کے حکم سے مسلمانوں میں جاری کر دیا۔" (میزان، ص138، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب اصطلاحات کے ذریعے مغالطہ دینے کے عادی ہیں اور یہ چیز اُن کے ہاں ایک واضح تضاد کی صورت میں اُبھر کر سامنے آتی ہے۔

6۔ کبھی صرف قرآن میزان ہے تو کبھی سنت بھی میزان

غامدی صاحب کبھی صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کے ساتھ سنت کو بھی میزان ٹھہراتے ہیں۔ کبھی ایک میزان اور کبھی دو میزانیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''قرآن میزان ہے...... چنانچہ تولنے کے لیے یہی ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جاسکے۔'' (میزان، ص22، طبع دوم اپریل2002ء)

''ہر چیز اب اسی میزان (قرآن) پر تولی جائے گی۔''

(میزان حصہ اوّل، ص140، طبع 1985ء)

مگر دوسرے موقع پر صرف قرآن ہی میزان نہ رہا بلکہ قرآن کے ساتھ سنت بھی میزان بن گئی۔ پہلے ایک میزان تھی، اب دو ہوگئیں اور تضاد بالکل واضح ہوگیا۔ چنانچہ ''اشراق'' جس کے مدیر غامدی صاحب ہیں، میں یہ اشتہار عرصے تک چھپتا رہا کہ:

''قاری محترم!
اشراق ایک تحریک ہے، علمی تحریک ...... فکر و نظر کو قرآن و سنت کی میزان میں تولنے کی تحریک......''

(ماہنامہ اشراق، بابت اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، اکتوبر، نومبر اور دسمبر 1991ء)

اس طرح غامدی صاحب ایک طرف صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف سنت کو بھی میزان مانتے ہیں اور یہ چیز بھی اُن کے ہاں کھلے تضاد کی صورت میں موجود ہے۔

7۔قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی مراد لینا

غامدی صاحب قرآن مجید کے الفاظ کے صرف معروف معنی لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور اگر معروف معنی نہ لیے جائیں تو ان کے نزدیک ایسا کرنا ناجائز ہے۔

وہ اپنے موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اس قرآن کے ترجمہ وتفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رہنے چاہئیں، ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جا سکتی۔'' (میزان، ص18، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس کے بعد اپنے موقف کو درج ذیل مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

''وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ میں اَلنَّجْمُ کے معنی ''تاروں'' ہی کے ہو سکتے ہیں۔ إِلا إِذَا تَمَنّٰى میں لفظ تَمَنّٰى کا مفہوم خواہش اور ارمان ہی ہے۔ أَفَلا يَنظُرُوْنَ إِلَى الإِبِلِ میں الإِبِلِ کا لفظ اونٹ ہی کے لیے آیا ہے۔ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ میں بَيْض انڈوں ہی کے معنی میں ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں نَحَر کا لفظ قربانی ہی کے لیے ہے۔ اور اسے ''بوٹیوں'' اور ''تلاوت'' اور ''بادل'' اور ''انڈوں'' کی چھپی ہوئی جھلی اور ''سینہ پر ہاتھ باندھنے'' کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔'' (حوالہ مذکورہ، ص18، 19)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کے ترجمہ وتفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لیے جا سکتے ہیں اور ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

حالاں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ بعض اوقات قرآنی الفاظ کے معروف معنی کے سوائے

اس کے مجازی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ جیسے یقین کے معروف معنی یقین ہی کے ہیں مگر یہ مجازی طور پر ''موت'' کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غامدی صاحب اپنے اس خود ساختہ اُصول کی خود خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہر جگہ قرآنی الفاظ کے معروف معنی مراد نہیں لیتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اُلٹی تفسیر ''البیان'' (میں اسے اُلٹی تفسیر اس لیے کہتا ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے ہوتی ہوئی اُلٹے رُخ پر پیچھے کو آ رہی ہے اور ابھی تک اس کی ایک جلد شائع ہوئی ہے جو سورۃ الملک سے سورۃ الناس تک ہے اور باقی تفسیر ابھی نامکمل ہے) میں درج ذیل مقامات پر قرآنی الفاظ کے معروف معنی مراد نہ لے کر اپنے بنائے ہوئے اُصول کو خود پامال کیا ہے۔

1۔ **پہلی مثال** سورۃ اللھب کے الفاظ ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے۔'' (البیان، ص260)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ لفظ ''یدا'' کے معروف معنی ''بازو'' کے ہیں یا ''دونوں ہاتھ'' کے۔

2۔ **دوسری مثال** سورۃ العلق کی پہلی آیت ﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

''انہیں پڑھ کر سناؤ (اے پیغمبرؐ) اپنے اُس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔'' (البیان، ص207)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ عربی زبان میں لفظ اقرأ (بغیر علیٰ کے صلہ) کے معروف معنی ''پڑھ'' کے ہیں یا ''انہیں پڑھ کر سناؤ'' کے ہیں۔

3۔ **تیسری مثال** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ (الملک: 24)

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

''ان سے کہہ دو، وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں بویا۔'' (البیان، ص: 25، 26)

اب قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ میں ذَرَأَ (ذال کے ساتھ) کے معروف معنی ''بونے'' کے ہیں یا ''پھیلانے'' کے۔

4۔ **چوتھی مثال** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴾ (المدثر:53)

اس آیت کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

''بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) یہ قیامت کی توقع نہیں رکھتے۔'' (البیان، ص81)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ آیت کے لفظ ''يَخَافُونَ'' کی قطعی دلالت اور اس کے معروف معنی بقول غامدی صاحب ''توقع رکھنے'' کے ہیں یا اس لفظ کے معروف معنی ''خوف رکھنا یا ڈرنا'' کے ہیں۔

5۔ **پانچویں مثال** سورۃ الاعلیٰ میں آیت 5،4 میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰىo فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰىo ﴾

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے:

''اور جس نے سبزہ نکالا، پھر اُسے گھنا سرسبز و شاداب بنا دیا۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ غُثَآءً اَحْوٰى کے معروف معنی ''سیاہ کوڑا کرکٹ'' کے ہیں نہ کہ ''گھنا سرسبز و شاداب'' کے۔

6۔ **چھٹی مثال** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْo ﴾ (المدثر)

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

''اور اپنے دامن دل کو پاک رکھو۔''

اب یہ اہل علم کا کام ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ ''ثِيَاب'' کے معروف معنی ''کپڑے'' کے ہیں یا ''دامن دل'' کے۔ یہ چند مثالیں ہیں جن میں غامدی صاحب نے اپنے اس اُصول کو توڑا ہے کہ قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لیے جا سکتے ہیں۔

8۔ تکفیر کے مسئلے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں تکفیر کے مسئلے پر بھی تضاد موجود ہے۔ وہ خود دوسروں کی تکفیر کرتے ہیں مگر کسی اور کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسرے کی تکفیر کر سکے اور اُسے کافر قرار دے سکے۔

چنانچہ ایک سوال کے جواب میں غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے...... یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔''

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء ص 54، 55)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کی رائے میں کوئی غیر نبی شخص کسی اور آدمی کی تکفیر نہیں کر سکتا اور اُسے کافر قرار نہیں دے سکتا۔

غامدی صاحب کی یہ رائے بالکل بے اصل اور غلط ہے۔ خلفائے راشدین سے لے کر آج تک اُن لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے جو ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتے رہے ہیں۔ خود سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مدعیانِ نبوت اور مانعین زکوٰۃ کو کافر قرار دے کر اُن کے خلاف تلوار سے جہاد کیا تھا۔ ماضی قریب میں اُمت مسلمہ نے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی (ملعون) اور اُس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا تھا۔ پاکستان کے قریباً ڈیڑھ ہزار علماء نے غلام احمد پرویز کو کافر قرار دیا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے غامدی صاحب نے اپنے گمراہ کن عقائد و نظریات کے پیش نظر خود تکفیر کی زد سے بچنے کے لیے تکفیر کا انکار کیا ہے۔

لیکن ہمیں اس پر تعجب آتا ہے کہ وہ خود تو تکفیر کی زد سے بچنے کے لیے حیلے بہانے تراش رہے ہیں مگر دوسروں کو تکفیر کا نشانہ بناتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ اُن کی اپنی تحریروں

کی رُو سے شمالی افریقہ کے کروڑوں مسلمان غیر مسلم قرار پاتے ہیں اور اُمت مسلمہ کے تمام صوفیائے کرام کافر ٹھہرتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اسلام کے متوازی ایک دین ہے اور جب تصوف اسلام کے متوازی ایک دین ہے تو لامحالہ وہ اسلام سے الگ کوئی دین ہے اور جب کوئی شخص اسلام سے الگ اُسے اپنا دین بنائے گا تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس طرح غامدی صاحب نے بالواسطہ طور پر اُمت مسلمہ کے تمام صوفیائے کرام کی تکفیر کر کے اُن کو کافر ٹھہرایا ہے۔

چنانچہ تصوف کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے۔'' (برہان، ص188، طبع جون 2006ء)

غامدی صاحب کی دوسری تحریریں جن کی رُو سے شمالی افریقہ (لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکس اور صومالیہ وغیرہ) کے تمام مسلمان غیر مسلم قرار پاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ ''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''

(میزان، ص25، 26 طبع دوم اپریل 2002ء)

2۔ ''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے ...... اس کے علاوہ سب قراءتیں...... فتنۂ عجم کے باقیات ہیں۔'' (میزان، ص32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

کیا غامدی صاحب کی ان تحریروں کی رُو سے شمالی افریقہ (لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکش اور موصالیہ وغیرہ) کے کروڑوں مسلمان غیر مسلم قرار نہیں پاتے؟ جی ہاں، غامدی صاحب نے ایک ہی تکفیری لاٹھی سے ان سب کو کافر قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ شمالی افریقہ کے لوگ ''قراءت حفص'' نہیں بلکہ ''قراءت ورش'' کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں اور جب

''قراءت حفص'' کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے تو لا محالہ شمالی افریقہ کے تمام مسلمان قرآن سے محروم ہیں اور غیر قرآن کو قرآن سمجھے ہوئے ہیں اور جب وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھے ہوئے ہیں تو قرآن کے منکر ٹھہرے کیونکہ جو قرآن کا منکر ہو جائے وہ ضرور کافر ہو جاتا ہے۔

غامدی صاحب کے نشتر تکفیر کی زد صرف یہیں تک نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں جو اربوں مسلمان ''قراءت حفص'' کے علاوہ دوسری قراءتوں کو بھی قرآن سمجھتے ہوئے اُن کو پڑھ یا پڑھا رہے ہیں وہ سب مسلمان بھی بیک قلم غیر مسلم ٹھہرتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب ایک طرف تو تکفیر کو ناجائز سمجھتے ہیں اور دوسری طرف اسے جائز قرار دے رہے ہیں اور یہ اُن کے ہاں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔

پانچواں باب

متفقہ اسلامی عقائد واعمال سے تقابل

جاوید غامدی صاحب کے عقائد ونظریات اُمت مسلمہ اور علمائے اسلام کے متفقہ اوراجماعی عقائد واعمال سے بالکل الگ اور مختلف ہیں۔انہوں نے ''سبیل المؤمنین'' کو چھوڑ کر اُس ''غیر سبیل المؤمنین'' کو اختیار کرلیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۠ ﴾

(النساء:115)

''جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے گا حالاں کہ اس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہو تو اسے ہم اُسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔''

ذیل میں علمائے اسلام اور غامدی صاحب کے عقائد ونظریات کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس کے بعد ہر شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون راہِ حق پر ہے اور کون گمراہ ہے؟

غامدی صاحب کے عقائد ونظریات	متفقہ اسلامی عقائد واعمال
1۔ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔	1۔ قرآنِ مجید کی سات یا دس (سبعہ یا عشرہ) قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں۔

2۔قرآن کا ایک نام میزان بھی ہے۔	2۔ میزان، قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔
3۔ قرآن کی متشابہ آیات کا بھی ایک واضح اور قطعی مفہوم سمجھا جاسکتا ہے۔	3۔ قرآن کی متشابہ آیات کا واضح اور قطعی مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔
4۔سورۂ نصر مکی ہے۔	4۔سورۂ نصر مدنی ہے۔
5۔ قرآن میں اصحاب الاخدود سے مراد دورِ نبویؐ کے قریش کے فراعنہ ہیں۔	5۔اصحاب الاخدود کا واقعہ بعثت نبویؐ سے بہت پہلے زمانے کا ہے۔
6۔ سورۂ لہب میں ابولہب سے مراد قریش کے سردار ہیں۔	6۔ابولہب سے نبی ﷺ کا کافر چچا مراد ہے۔
7۔ اصحاب الفیل کو پرندوں نے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ وہ قریش کے پتھراؤ اور آندھی سے ہلاک ہوئے تھے۔ پرندے صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔	7۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل پر ایسے پرندے بھیجے جنھوں نے اُن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔
8۔سنت قرآن سے مقدم ہے۔	8۔قرآن سنت پر مقدم ہے۔
9۔سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔	9۔سنت میں نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (خاموش تائیدیں) سب شامل ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔
10۔سنت صرف ستائیس (27) اعمال کا نام ہے۔	10۔سنتیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

11۔ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں کا ثبوت اجماع اور عملی تواتر سے ہوتا ہے۔	11۔ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں واضح فرق ہے۔ سنت کے ثبوت کے لیے اجماع شرط نہیں۔
12۔ حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔	12۔ حدیث سے بھی اسلامی عقائد اور اعمال ثابت ہوتے ہیں۔
13۔ حضورؐ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لیے بھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔	13۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لیے بہت اہتمام کیا تھا۔
14۔ ابن شہاب زہریؒ کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ وہ ناقابل اعتبار راوی ہے۔	14۔ امام ابن شہاب زہریؒ روایتِ حدیث میں ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور ان کی روایات قابل قبول ہیں۔
15۔ دین کے مصادر قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں۔	15۔ دین و شریعت کے مصادر و ماخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس (اجتہاد) ہیں۔
16۔ معروف اور منکر کا تعین انسانی فطرت کرتی ہے۔	16۔ معروف و منکر کا تعین وحیٔ الٰہی سے ہوتا ہے۔
17۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔	17۔ جو شخص دین کے بنیادی امور یعنی ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو اُسے کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔

18۔عورتیں بھی باجماعت نماز میں امام کی غلطی پر بلند آواز سے ''سبحان اللہ'' کہہ سکتی ہیں۔	18۔امام کی غلطی پر عورتوں کے لیے بلند آواز میں ''سبحان اللہ'' کہنا جائز نہیں ہے۔
19۔زکوۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔	19۔زکوۃ کا نصاب منصوص اور مقرر شدہ ہے۔
20۔ریاست کسی بھی چیز کو زکوۃ سے مستثنیٰ کرسکتی ہے۔	20۔اسلامی ریاست کسی چیز یا شخص کو زکوۃ سے مستثنیٰ نہیں کرسکتی۔
21۔بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے۔	21۔بنو ہاشم کو زکوۃ دینی جائز نہیں۔
22۔اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے۔	22۔اسلامی شریعت میں موت کی سزا بہت سے جرائم پر دی جاسکتی ہے۔
23۔دیت کا قانون وقتی اور عارضی تھا۔	23۔دیت کا حکم اور قانون ہمیشہ کے لیے ہے۔
24۔قتل خطاء میں دیت کی مقدار تبدیل ہوسکتی ہے۔	24۔قتل خطاء میں دیت کی مقدار تبدیل نہیں ہوسکتی۔
25۔عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔	25۔عورت کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہے۔
26۔اب مرتد کی سزائے قتل باقی نہیں ہے۔	26۔اسلام میں مرتد کے لیے قتل کی سزا ہمیشہ کے لیے ہے۔
27۔زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کی سزا صرف سو کوڑے ہیں۔	27۔شادی شدہ زانی کی سزا از روئے سنت سنگساری ہے۔

28۔ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا قرآن سے ثابت ہے۔	28۔ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا صرف سنت سے ثابت ہے۔
29۔ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔	29۔ شراب نوشی کی شرعی سزا ہے جو اجماع کی رو سے اسّی کوڑے مقرر ہیں۔
30۔ عورت کی گواہی حدود کے جرائم میں بھی معتبر ہے۔	30۔ حدود کے جرائم میں عورت کی شہادت معتبر نہیں۔
31۔ صرف عہد نبوی کے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے وارث نہیں ہو سکتے۔	31۔ کوئی کافر کسی مسلمان کا کبھی وارث نہیں ہوسکتا۔
32۔ اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں وارث ہوں تو اُن کو والدین یا بیوی شوہر کے حصوں سے بچے ہوئے ترکے کا دوتہائی (2/3) حصہ ملے گا۔	32۔ میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہی ہوں تو ان کو کل ترکے کا دوتہائی (2/3) حصہ دیا جائے گا۔
33۔ سؤر کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اوران کا استعمال ممنوع نہیں۔	33۔ سؤر نجس العین ہے، لہٰذا اس کی کھال اور دوسرے اجزاء کا استعمال اور تجارت حرام ہے۔
34۔ عورت کے لیے دوپٹا پہننا شرعی حکم نہیں۔	34۔ عورت کے لیے دوپٹہ اور اوڑھنی پہننے کا حکم قرآن کی سورۂ النور آیت 31 سے ثابت ہے۔

35۔ کھانے کی صرف چار (4) چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سوئر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔	35۔ ان کے علاوہ کھانے کی بہت سی اور چیزیں بھی حرام ہیں جیسے کتے اور پالتو گدھے کا گوشت وغیرہ۔
36۔ کئی انبیاء قتل ہوئے مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔	36۔ ازروئے قرآن بہت سے نبیوں اور رسولوں دونوں کو قتل کیا گیا۔
37۔ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔	37۔ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے۔ وہ قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔
38۔ یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔	38۔ یاجوج ماجوج اور دجال قربِ قیامت کی دو الگ الگ نشانیاں ہیں۔ احادیث کی رُو سے دجال ایک یہودی شخص ہوگا جو دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔
39۔ جہاد و قتال کے بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔	39۔ جہاد و قتال ایک شرعی فریضہ ہے۔
40۔ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور اب مفتوح کافروں سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا۔	40۔ کفار کے خلاف جہاد کا حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور مفتوح کفار (ذمیوں) سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

غامدی صاحب کے مذکورہ گمراہ کن عقائد ونظریات کے بارے میں اُن کی تحریروں کے حوالہ جات

(1)......(ا) قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''

(میزان، ص25، 26، طبع دوم، اپریل 2002ء، لاہور)

(ب)''یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے...... اس کے علاوہ سب قراءتیں...... فتنۂ عجم کے باقیات ہیں۔''

(میزان، ص32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(2)......(ا)'' قرآن...... میزان...... ہے۔'' (برہان، ص140)

(ب) ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ﴾ (الشوریٰ: ۴۲ : ۱۷)

''اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری، یعنی میزان نازل کی ہے۔''

اس آیت میں '' وَالْمِيْزَانَ '' سے پہلے '' و '' تفسیر کے لیے ہے۔ اس لیے ''المیزان'' درحقیقت یہاں '' الکتاب '' ہی کا بیان ہے۔

(میزان، ص22، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(3)......''یہ بات ہی صحیح نہیں ہے کہ محکم اور متشابہ کو ہم پورے یقین کے ساتھ ایک دوسرے سے ممیز نہیں کر سکتے یا متشابہات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں...... لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ متشابہات کا مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔''

(میزان، ص 34، 35، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(4)...... ’’سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے اس سورہ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُمّ القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلۂ ہجرت و براءت میں آپ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔‘‘ (البیان، ص 252، مطبوعہ ستمبر 1998ء)

(5)...... ’’یہ ﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ○ ﴾ (البروج: ٤۔٥) قریش کے اُن فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم وستم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ اُنھیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اُس گھائی میں پھینک دیے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔‘‘ (البیان، ص 157، طبع ستمبر 1998ء)

(6)...... ﴿ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ ﴾

’’ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔‘‘ (تفسیر) ’’بازو ٹوٹ گئے‘‘ یعنی اُس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے اور اس کی سیاسی قوت ختم ہوگئی۔‘‘

(البیان، ص 260، مطبوعہ ستمبر 1998ء)

(7)...... ’’اللہ تعالیٰ نے ساف وحاصب کے طوفان سے اُنھیں (اصحاب الفیل کو) اس طرح پامال کیا کہ کوئی اُن کی لاشیں اٹھانے والا نہ رہا۔ وہ میدان مین پڑی تھیں اور گوشت خوار پرندے اُنھیں نوچنے اور کھانے کے لیے، اُن پر جھپٹ رہے تھے...... آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری (قریش کی) مدافعت اگر چہ ایسی کمزور تھی کہ تم پہاڑوں میں چھپے ہوئے، اُنھیں کنکر پتھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا، تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کہ اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔‘‘

(البیان، تفسیر سورۂ الفیل، ص: 240، 241)

(8)...... ''سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔''

(میزان، ص52، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(9)...... (ا) ''سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے، یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں ...... علمی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے اس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں۔''

(میزان، ص65، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(ب) ''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔''

(میزان، ص10، طبع دوم، اپریل 2002ء لاہور)

(10)......اس (سنت) کے ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

(۱) ''اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، (۲) ملاقات کے موقع پر ''السلام علیکم'' اور اس کا جواب، (۳) چھینک آنے پر ''الحمدللہ'' اور اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ''، (۴) نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت، (۵) مونچھیں پست رکھنا، (۶) زیرناف کے بال مونڈنا، (۷) بغل کے بال صاف کرنا، (۸) لڑکوں کا ختنہ کرنا، (۹) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، (۱۰) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، (۱۱) استنجا، (۱۲) حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب، (۱۳) حیض و نفاس کے بعد غسل، (۱۴) غسل جنابت، (۱۵) میت کا غسل، (۱۶) تجہیز و تکفین، (۱۷) تدفین، (۱۸) عیدالفطر، (۱۹) عیدالاضحیٰ، (۲۰) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ، (۲۱) نکاح و طلاق اور اس کے متعلقات، (۲۲) زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، (۲۳) نماز اور اس کے متعلقات، (۲۴) روزہ اور صدقۂ فطر، (۲۵) اعتکاف، (۲۶) قربانی اور (۲۷) حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس

میں اور قرآنِ مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

(میزان، ص10، طبع دوم، اپریل، 2002ء، لاہور)

(11)......''سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔''

(میزان، ص10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(12)......''اس (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''

(میزان، ص64، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(13)......''نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انھیں ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔'' (میزان، حصہ دوم، ص68، طبع / اپریل 2002ء، لاہور)

(14)......''ان (امام ابن شہاب زہریؒ) کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔'' (میزان، ص31، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(15)......''قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں: (۱) دین فطرت کے حقائق (۲) سنت ابراہیمی (۳) نبیوں کے صحائف۔''

(میزان، طبع دوم، ص48، مطبوعہ اپریل 2002ء)

(16)......''معروف ومنکر...... وہ باتیں (ہیں) جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت اِبا کرتی اور انھیں برا سمجھتی ہے...... انسان ابتدا

ہی سے معروف ومنکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے۔''

(میزان، ص49، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(17)...... ''کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے...... یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔''

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء، ص54، 55)

(18)...... ''امام غلطی کرے اور اس پر خود متنبہ نہ ہو تو مقتدی اسے متنبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ ''سبحان اللہ'' کہیں گے۔ عورتیں اپنی آواز بلند کرنا پسند نہ کریں تو نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر متنبہ کر دیں۔''

(قانون عبادات، ص84، مطبوعہ اپریل 2005ء)

(19، 20) ''ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے، ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کر سکتی ہے۔'' (قانونِ عبادات، ص119، طبع اپریل 2005ء)

(21)...... ''بنی ہاشم کے فقراء و مساکین کی ضرورتیں بھی زکوٰۃ کے اموال سے اب بغیر کسی تردّد کے پوری کی جاسکتی ہیں۔'' (قانونِ عبادات، ص119، طبع اپریل 2005ء)

(22)...... (ا) ''ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کے سوا، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔''

(برہان، ص143، طبع چہارم، جون 2006ء)

(ب) ''اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔''

(میزان، ص283، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(23)...... ''چنانچہ اس (قرآن) نے اس (دیت کے) معاملے میں ''معروف'' کی پیروی

کا حکم دیا ہے۔ قرآن کے اس حکم کے مطابق ہر معاشرہ اپنے ہی معروف کا پابند ہے۔ ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہمارے ارباب حل وعقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں۔ وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے، معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لیے وہی ''معروف'' قرار پائے گی۔'' (برہان، ص18، 19، طبع چہارم، جون 2006ء)

(24، 25) ''اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لیے تعین کیا ہے، نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد اور کافر اور مومن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے۔'' (برہان، ص18، طبع چہارم، جون 2006ء)

(26)...... ''لیکن فقہاء کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کر دو) تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآنِ مجید میں اُمیین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔''

(برہان، ص140، طبع چہارم، جون 2006ء)

(27)...... ''سورۂ نور میں ...... زنا کے عام مرتکبین کے لیے ایک متعین سزا ہمیشہ کے لیے مقرر کر دی گئی ...... زانی مرد ہو یا عورت، اس کا جرم اگر ثابت ہو جائے تو اس کی پاداش میں اسے سو کوڑے مارے جائیں گے۔''

(میزان، ص299، 300، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(28)...... ''قطع ید کی یہ سزا ﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ﴾ ہے۔ لہٰذا مجرم کو دوسروں کے لیے عبرت بنا دینے میں عمل اور پاداش عمل کی مناسبت جس طرح یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اسی طرح یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ اس کا

دایاں ہاتھ ہی کاٹا جائے۔'' (میزان، ص306، 307، طبع دوم، اپریل2006ء)

(29)......(الف) ''یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور ﷺ نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوایا تو شارع کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی ان کے لیے چالیس کوڑے اور اسّی کوڑے کی یہ سزائیں اسی حیثیت سے مقرر کی ہیں۔ چنانچہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں، بلکہ محض تعزیر ہے جسے مسلمانوں کا نظم اجتماعی، اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا ہے اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔''

(برہان، ص139، طبع چہارم، جون2006ء)

(ب) ''یہ (شراب نوشی پر اسّی کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔''

(برہان، ص138، طبع چہارم، جون2006ء)

(30)...... ''حدود کے جرائم ہوں یا ان کے علاوہ کسی جرم کی شہادت، ہمارے نزدیک یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا۔ اس میں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ہے۔''

(برہان، ص27، طبع چہارم، جون2006ء)

(31)...... ''نبی ﷺ نے اسی (قرابت نافعہ) کے پیش نظر جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا: ((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ.)) بخاري، رقم: ٦٧٦٤. ''نہ مسلمان ان میں سے کسی کافر کے وارث ہوں گے اور نہ یہ کافر کسی مسلمان کے۔'' یعنی اِتمامِ حجت کے بعد جب یہ منکرین حق خدا اور مسلمانوں کے کھلے دشمن بن کر سامنے آگئے ہیں تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر قرابت کی منفعت بھی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ چنانچہ یہ اب آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔''

(میزان، ص171، طبع دوم، اپریل2002ء لاہور)

(32)......(ا) ''اولاد میں دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں تو اُنھیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔'' (میزان حصہ اوّل، ص70، طبع مئی 1985ء)

(ب) ''وہ سب (والدین اور زوجین کے حصے) لازماً پہلے دیے جائیں گے اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا، صرف وہی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ لڑکے اگر تنہا ہوں تو اُنھیں بھی یہی ملے گا اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے لیے بھی یہی قاعدہ ہوگا۔ اسی طرح میت کی اولاد میں اگر تنہا لڑکیاں ہی ہوں تو اُنھیں بھی اس بچے ہوئے ترکے ہی کا دو تہائی یا آدھا دیا جائے گا، ان کے حصے پورے ترکے میں سے کسی حال میں ادا نہ ہوں گے۔'' (میزان، ص168، طبع اپریل 2002ء)

(33)......(ا) '' اُن علاقوں میں جہاں سوٗر کا گوشت بطورِ خوراک استعمال نہیں کیا جاتا، وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' (ماہنامہ اشراق، شمارہ اکتوبر 1998ء، ص79)

(ب) ''یہ سب چیزیں (خون، مردار، سوٗر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات سے واضح ہے، صرف خورد و نوش کے لیے حرام ہیں۔ رہے ان کے دوسرے استعمالات تو وہ بالکل جائز ہیں۔''

(میزان، ص320، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(34)......''دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔''

(ماہنامہ اشراق، شمارہ مئی 2002ء، ص47)

(35)......''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے (انسان کو) بتایا کہ سوٗر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ قرآن نے بعض جگہ: ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ ﴾

اور بعض جگہ ﴿ اِنَّمَا ﴾ کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔''

(میزان، ص 311، طبع اپریل 2002ء)

(36)...... ''اللہ تعالیٰ ان (رسولوں) کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا ان کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے...... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون مختلف ہے۔'' (میزان، حصہ اوّل، ص 21، مطبوعہ 1985ء)

(37)...... (ا) ''حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے اُن کی روح ہی قبض نہیں کی، اُن کا جسم بھی اُٹھا لے گئے کہ مبادا یہ سرپھری قوم اس کی توہین کرے۔'' (میزان حصہ اوّل، ص 22، مطبوعہ 1985ء)

(ب) مسیح علیہ السلام کو جسم و روح کے ساتھ قبض کر لینے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰ، میں تجھے قبض کر لینے والا ہوں......''

(میزان، حصہ اوّل، صفحہ 23، 24، مطبوعہ 1985ء)

(38)...... ''ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پر مبنی فکر و فلسفہ کی علم بردار ہیں اور اسی سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی۔ یہ بھی درحقیقت مغربی اقوام کی انسان کے روحانی پہلو سے پہلو تہی اور صرف مادی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی

غالباً مغربی اقوام کے سیاسی عروج ہی کے لیے کنایہ ہے۔"

(ماہنامہ "اشراق" شمارہ جنوری 1996ء، ص 61)

(39)...... "انھیں (نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو) قتال کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ اتمامِ حجت سے ہے۔"

(میزان، ص 264، طبع اپریل 2002ء، لاہور)

(40)...... "یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انھیں محکوم اور زبردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔" (میزان، ص 270، طبع اپریل 2002ء، لاہور)

جاوید غامدی صاحب کے چند مزید عقائد و نظریات
(زبانی و تحریری)

(1)......عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے:

(ماہنامہ اشراق، مئی 2005، ص35 تا 46)

(2)......عورت نکاح خواں بن سکتی ہے:

غامدی صاحب نے، اس سوال کے جواب میں کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

''جی ہاں! بالکل پڑھا سکتی ہے......'' (WWW.gamidi.org)

(3)......مرد اور عورتیں برابر کھڑے ہو کر باجماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں:

غامدی صاحب کے ایک شاگرد سکالر سے سوال کیا گیا، کیا مرد اور عورت اکٹھے کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ:

''مرد اور عورت کھڑے ہو کر جماعت یا انفرادی، دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔''

(www.urdu.understanding.islam.org)

(4)......اجنبی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر اوڑھے یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر لیے آ جا سکتی ہے:

(5)......گانا بجانا اور موسیقی جائز ہے:

ماہنامہ ''اشراق'' کے نائب مدیر سید منظور الحسن اپنے مضمون ''اسلام اور موسیقی'' جو

جاوید غامدی کے افادات پر مبنی ہے، میں لکھتے ہیں:

''موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے، اس لیے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔''

ماہر فن مغنیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا گانا سنوایا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔'' (ماہنامہ اشراق، شمارہ مارچ 2004، ص8،19)

(6)...... جاندار چیزوں کی تصویریں بنانا جائز ہے:

غامدی صاحب کے ادارہ ''المورد'' کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیق مفتی اپنی کتاب ''تصویر کا مسئلہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''لیکن فی نفسہ تصویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے، جب کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے انہیں جائز رکھا ہو۔''

(تصویر کا مسئلہ، ص30)

(7)...... مردوں کے لیے داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں:

غامدی صاحب کے ادارہ ''المورد'' ہی کے ایک ریسرچ سکالر لکھتے ہیں:

''عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا، لہٰذا دین کی رُو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں۔''

(www.urdu.understandign.islam.org)

(8)...... ہندو مشرک نہیں ہیں:

غامدی صاحب کے ایک شاگرد ''کیا ہندو مشرک ہیں؟'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہو۔ چونکہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے، لہٰذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔''

(www.urdu.understandign.islam.org)

(9)...... مسلمان لڑکی کی شادی ہندو لڑکے سے جائز ہے:

حلقہ غامدی کے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔''

(www.urdu.understandign.islam.org)

(10)...... ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اس لیے جائز ہے:

''المورد'' کے انگریزی مجلد ''رینی ساں'' کے شمارہ اگست 2005ء میں اس موضوع پر ایک مکمل مضمون موجود ہے۔

(11)...... اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے:

(12)...... قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا:

(بحوالہ ماہنامہ اشراق، جنوری 1996، ص 60)

(13)...... امریکہ افغانستان اور عرق پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہے:

(انٹرویو ''زندگی'')

(14)...... اسامہ بن لادن اور ملا عمر دونوں انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ اور ان کا جہاد کا موقف شرعی طور پر درست نہیں:

(15)...... مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں، اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے:

(ملاحظہ ہو: اشراق جولائی، اگست 2003، اور اشراق مئی، جون 2004ء)

(16)...... تصوف اسلام سے الگ ایک متوازی دین ہے:

''تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے جسے دین خداوندی کی روح اور حقیقت کے نام سے اس اُمت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

(برہان، ص188، طبع جون2006ء)

(17)......مسلمانوں کے تمام صوفیاء غیر مسلم ہیں:

غامدی صاحب کے اس فتوے کے بعد کہ:

''تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے۔'' (برہان، ص188، طبع جون2006ء)

اُمت مسلمہ کے تمام صوفیاء کرام دین اسلام سے خارج، کافر اور غیر مسلم قرار پاتے ہیں۔

(18)......شمالی افریقی کے مسلم ممالک (مراکش، الجزائر، تیونس، اور لیبیا وغیرہ) کے مسلمان اصلی قرآن مجید کو چھوڑنے کی وجہ سے غیر مسلم ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قراءت ورش اختیار کرنے اور قراءت عامہ ''قراءت حفص'' کو چھوڑنے کے مرتکب ہو کر قرآن کے منکر ہو چکے ہیں لہٰذا وہ سب کافر ہیں:

غامدی صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ:

''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے، اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''

(میزان، ص25، 26، طبع دوم، اپریل2002ء)

(19)......اقامت دین یعنی دین کو قائم کرنے اور دین شریعت کا نفاذ کرنے کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے: (برہان، ص147، طبع جون2006ء)

(20)......افغانستان اور عراق میں خودکش حملے جائز نہیں ہیں:

(اشراق، شمارہ اپریل2003، ص41، 42)

ضمیمہ

غامدیات

(غامدی صاحب کا منظوم تعارف)

1۔غامدی نامہ

تقریر تیری ، ساحری تحریر تیری ، منطقی
کیا خوب تیری شاعری ویسے تو ہے گلّے زئی

جاوید احمد غامدی

کونسل کا تو ممبر بھی ہے ٹی وی کا دانش ور بھی ہے
اندر بھی ہے، باہر بھی ہے اے منکر وحی خفی!

جاوید احمد غامدی

کتنے ہی تیرے ہم سفر کرتے گئے تجھ سے حذر
جس کا سبب یہ تھا مگر ہے بے مروّت آدمی

جاوید احمد غامدی

جب جھوٹ مسجد میں کہا تھا سامنے قرآں دھرا
یوں تو 'جماعت' سے گیا پائی نئی پھر روشنی

جاوید احمد غامدی

معنیِ سنت بھی غلط؟ اجماعِ اُمت بھی غلط؟
سبعہ قراءت بھی غلط؟ مرتد کی حد ساقط ہوئی

جاوید احمد غامدی

تصویرِ زندہ کی درست؟ رقص اور موسیقی درست؟
خـتم کے معنی درست؟ کیا مر چکے عیسیٰ نبیؑ!

جاوید احمد غامدی

اے ناقدِ حکمِ جہاد تاویلِ باطل کا فساد
اے بش، بلیئر کی مراد پرویز و مرزا کی کڑی

جاوید احمد غامدی

اے منکرِ شرعِ متین! اے حامیِ اعدائے دین!
رُوشن خیالی را گزین! تو از کجا برآمدی؟

جاوید احمد غامدی

اَنْكَرْتَ حَدَّ الْمُرْتَدِ بَدَّلْتَ دِيْنَ اَحْمَدِ
لَا تَصْلُحُ، لَا تَهْتَدِيْ اَنْتَ كَضَالٍّ مُّلْحِدِ
اَلْغَامِدِيُّ الْغَامِدِيْ

2۔غزل

ربابِ غامدی میں ہے وہی آہنگ پرویزی
وہی ذوقِ تجدّد، ترکِ سنت ، فتنہ انگیزی
بھروسا کر نہیں سکتے کبھی دانش فروشوں پر
سکھاتے ہیں مسلماں کو جو اُمت سے کم آمیزی
ہمیشہ بولتے ہیں دشمنانِ دین کی بولی
جہادِ غوری و محمود کو کہتے ہیں خوں ریزی
چمن میں نظم لاتے ہیں وہ مصنوعی طریقے سے
گھٹا دیتے ہیں جس سے حسن فطرت کی دل آویزی
پرے ہے سرحدِ اِدراک سے جبریلؑ کی دنیا
جہاں بے کار ہو جاتی ہے اَسپِ عقل کی تیزی
یہ دین حق خود اِک طوفانِ عالمگیر ہے جس کو
ڈرا سکتی نہیں باطل کی موجوں کی بلاخیزی
رفیؔق اُن سے توقع خیر کی ہم کو نہیں ہرگز
سیاست جن کی لادینی، قیادت جن کی چنگیزی

3۔تضمین بر شعر اقبال

یہ خلل دماغ کا ہے یا کسی کی مہرہ بازی
کہ مصوری ہے جائز، ہے حلال نَے نوازی
وہ تو بات غیر کی تھی جو تیری زباں سے نکلی
کہ اُسامہ اور مُلّا نہ مجاہد ہیں نہ غازی
یہ کڑا ہے وقت مانا ، مگر اِس قدر نہیں ہے
کہ جو غزنوی ہے اُس کو بھی سکھائے تو ایازی
یہ ''شراقیوں'' سے کہہ دو کہ رہے گی تا قیامت
وہ محمدی شریعت کہ نہیں فقط حجازی
یہ ترا عجیب دعویٰ کہ جو دین تو نے سمجھا
نہ سمجھ سکا تھا اس کو کوئی شافعی ، نہ رازی
یہ ترا اُصولِ باطل کہ 'حدیث دیں نہیں ہے'
ہے خسارا ہی خسارا، یہ نبیؐ سے بے نیازی
نہ کوئی اُصول تیرا ، نہ کوئی رفیق مذہب
ہے کبھی سخن طرازی، ہے کبھی زباں درازی
تو بدل گیا تو بہتر کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تَـــــــذَرْوان نہیں دین شاہبازی

4۔ صاحب اشراق کے اسرار و رموز

صاحب اشراق کے کھلتے ہیں اسرار و رموز
کشورِ پنجاب میں وہ روحِ مرزا کا بروز
رقص و موسیقی ہوئے اُس کی شریعت میں حلال
ہے حرام اِس دور میں کفار سے جنگ و قتال
ہو چکی اُس کی نظر میں ابن مریمؑ کی وفات
اور افسانہ کہ اُن سے کھائے گا دجال مات
اُس کی ہر گفتار میں مذہب کی تاویلات دیکھ
رشتۂ الفاظ میں اُلجھی ہوئی ہر بات دیکھ
بندۂ حُر کو سکھاتا ہے غلامی کے طریق
اہل حق سے ہے جدا، وہ اہل باطل کا رفیق
قرب حاصل ہے اُسے سرکار کے دربار میں
ہے مگر خود جنس ارزاں وقت کے بازار میں
آج وہ ہے لشکر اَعدا کے دل کی آرزو
رنگ لائے گا مگر اپنے شہیدوں کا لہو

اُس کے مے خانے میں ہے کیسی کرامت کا ظہور
جامِ مشرق لاتا ہے مغرب کی صہبا کا سرور

نغمۂ بے سوز پوشیدہ ہے اس کے ساز میں
غیر کا مطلب ہے پنہاں اُس کی ہر آواز میں

اس کے نظم باطنی سے پیدا بد نظمی ہوئی
اور قرآں کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی

'غامدیت' دین کی راہوں میں کج بینی کا نام
'غامدیت' دین کے پردے میں بے دینی کا نام

جس میں ہے بوئے تجدّد، دین کا انکار بھی
پائے جاتے ہیں رفیقِ اِلحاد کے آثار بھی

جاوید احمد غامدی کا مذہب یہ ہے کہ

★ قرآن کی صرف ایک قراءت درست ہے باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔
★ سنت قرآن سے مقدم ہے۔
★ سنت صرف ستائیس (27) اعمال کا نام ہے۔
★ حدیث سے کوئی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔
★ معروف اور منکر کا تعین وحی نہیں بلکہ انسانی فطرت کرتی ہے۔
★ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔
★ موسیقی اور گانا بجانا بالکل جائز ہے۔
★ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔
★ شادی شدہ زانی کے لیے صرف سو کوڑوں کی سزا ہے۔
★ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔
★ غیر مسلم بھی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔
★ کھانے کی صرف چار چیزیں حرام ہیں: خون، مردار، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ۔
★ عورت کے لیے دوپٹہ یا اوڑھنی پہننا کوئی شرعی حکم نہیں۔
★ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔
★ کفار کے خلاف جہاد و قتال کا شرعی حکم باقی نہیں ہے۔

ان سب کے حوالہ جات اور مزید تفصیلات کے لیے کتاب ہذا کا مطالعہ کیجیے۔

مکتبہ قرآنیات ۰ لاہور

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

0321-7724032 , 0333-4399812